© rasailojaraid.com

اسلام میں مزدوروں اور آجروں کے حقوق و فرائض

ملک ظہور احمد ایم اے ۔ ایل ایل بی ۔ ایل ایل ایم

مزدوروں اور محنت کشوں کے حقوق کا دن ۔ یوم مئی ۔ ایک صدی قبل یوم مئی کو شکاگو کے مزدوروں نے اپنی جانوں پر کھیل کر مزدوروں کے حقوق کا پھریرا بلند کیا تھا ۔ وہ پھریرا ایک صدی بعد آج بھی بلند ہے اور ہمیشہ بلند رہے گا ۔ یکم مئی ۱۸۸۶ء کو شکاگو کے مزدوروں پر پولیس نے بوجہ ان کے مظاہرے کے گولی چلائی تھی ۔

یوم مئی کو صنعتوں، گودیوں، منڈیوں اور دفتروں کے تمام مزدور جلسے کرتے ہیں اور جلوس نکالتے ہیں ۔ اس روز مزدور کئی مطالبات پیش کرتے ہیں اور کئی قرار دادیں منظور ہوتی ہیں ، اس عمل کو دہراتے ہوئے سو سال ہو گئے ہیں اور مستقبل میں بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا ، کئی صدیوں تک قیام قیامت تک !!

لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ مزدور ایک صدی قبل بھی ، جب شکاگو کا خونی سانحہ پیش آیا تھا پس رہا تھا اور اس کے خون پسینہ کی کمائی سے سرمایہ دار عیش کر رہا تھا اور آج بھی جب ہم بیسویں صدی کی دہلیز پر کھڑے ہیں ۔ مزدور بدستور پس رہا ہے ۔ وقتوں کا تفاوت موجود ہے ، حالات میں بھی فرق موجود ہے مگر مزدوروں کے حقوق کی کی حق تلفی بدستور ہو رہی ہے ۔ مغربی دنیا کی ترقی اور روشن خیالی کے باوجود مزدوروں کے حقوق پر بدستور ڈاکہ پڑ رہا ہے ۔ آج بھی مزدوروں کا خون بہہ رہا ہے ۔ آج سیکورٹی سکیم اور سیکورٹی ہسپتالوں کے باوجود مزدور بہتر طبی سہولتوں سے محروم ہے ۔ مزدور کے بچے بہتر تعلیم اور بہتر ماحول سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محروم ہیں۔

یوم مزدور اب تو ہر سال منایا جاتا ہے اور مزدوروں کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے سے زیادہ بیدار ہو چکے ہیں۔ صنعت کار اور سرمایہ دار کے بارے میں بھی عام خیال یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ وہ شکاگو والے صنعت کاروں اور سرمایہ داروں سے زیادہ روشن خیال اور زیادہ وسیع القلب ہیں، پھر مزدوروں کے پسینے کے عمل میں کیوں فرق نہیں آیا؟

مزدور بیدار ہے اور صنعت کار وسیع القلب تو کیا وجہ ہے کہ آج دنیا بھر میں مزدور یونینیں بھی موجود ہیں، مزدوروں کے حقوق کا چارٹر بھی موجود ہے تو پھر آخر وہ کونسی وجوہات ہیں جن کی بنا پر مزدوروں کو ہڑتالوں اور مظاہروں کا سہارا لینا پڑتا ہے؟ آخر ایسا کیوں ہے؟؟ اور کس لیے ہے؟؟؟

ہمیں یقین ہے کہ مزدوروں کے حقوق کا کما حقہٗ تحفظ اس وقت تک ہرگز نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ نظام نہ لایا جائے جو حقیقی معنوں میں مزدوروں کے حقوق اور ان کے احترام و تکریم کا ضامن ہے اور وہ نظام صرف اور صرف اسلام کا معاشی نظام ہے۔ اسلام صرف معیشت کے اصول اور مزدوروں کے حقوق کا چارٹر ہی نہیں دیتا بلکہ وہ اس کے احترام و تکریم کی بھی ضمانت دیتا ہے۔ سرمایہ دارانہ یا سوشلسٹ نظام مزدوروں کے حقوق کا تعیّن تو کر دیتے ہیں لیکن یہ نظام وہ حد فاصل ختم نہیں کرتے جو مزدور اور سرمایہ دار کے مابین پیدا کر دی گئی ہے۔ سرمایہ دار مزدور کے خون پسینے کی کمائی پر عیش و عشرت کے ایوان تعمیر کر رہا ہے اور مزدور اپنی تمام عرق ریزیوں کے باوجود عُسرت کی زندگی گذارنے پر مجبور ہے، لیکن اسلامی معاشرے میں مزدور کی بہت بڑی تکریم ہے۔ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ محنت کرنے والوں کو اپنا دوست سمجھتا ہے۔ اس ارشاد نے مزدوروں کی عزت بڑھا دی ہے۔ اللہ کا دوست بہر حال تمام لوگوں سے بدرجہا افضل ہے۔ پھر معاملہ صرف یہ کہنے تک محدود نہیں کہ مزدور اللہ کا دوست ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مزدور کو اس کی مزدوری اس کے پسینہ خشک ہونے سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلے ادا کر دی جائے ۔ پھر یہ بھی نہیں کہ مزدور کو اس کی اجرت کی ادائی کا فوری حکم تو ہے لیکن اجرت انتہائی قلیل ہو ۔ اس سلسلہ میں بھی واضح ہدایات موجود ہیں کہ اتنی اجرت ادا کی جائے کہ نہ صرف اس کی ضروریات پوری ہو جائیں بلکہ احسان کی ہدایت بھی کر دی گئی ہے تاکہ مزدوروں کو اجرت سے بھی زیادہ دیا جاتا رہے ۔ مزدوروں سے سلوک کے بارے میں تو پہلے ہی کہہ دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے دوست ہیں اور اللہ کا دوست بہتر سے بہتر سلوک کا مستحق ہے ۔ اس کے ساتھ ہی اسلام ہر انسان سے اچھے سے اچھے سلوک کی تلقین کرتا ہے ۔ اسلام صرف ظاہری نہیں بلکہ قلوب کی تبدیلی چاہتا ہے ۔ انسانی معاشرت ، لین دین اور طریقۂ کار کے لیے قلبی ماہیت کی تبدیلی ہی سب سے اہم شرط ہے ۔ اسلام ہوس زر کی بجائے انسان میں سیر چشمی پیدا کرتا ہے ۔ اس کے دل کو نرم اور نوع انساں کے لیے ہمدرد اور مومن بناتا ہے محنت کشوں کے حقوق کی حفاظت اور بطریق احسن حقوق کی ادائیگی کے لیے خدا خوفی ، احساس ذمہ داری ۔ نرم دلی ، ہمدردی اور انس کے جذبات ناگزیر ہیں اور یہ جذبات صرف اور صرف اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے سے ہی پیدا ہوتے ہیں ۔ اس لیے ہم حکومت پاکستان سے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مزدوروں کے حقوق کے لیے صرف زبانی کلامی بلند بانگ دعوے کرنے کی بجائے ملک میں اسلامی نظام نافذ کیا جائے ، صرف یہ ہی مزدوروں کے درد وں کا مداوا ہے اور اسی سے ہی مزدوروں کے حقوق کو مکمل تحفظ ملے گا ۔ موجودہ حکومت ماشاء اللہ مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کی دعویدار ہے اگر واقعی وہ اپنے دعوے میں صادق ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ملک میں اسلامی نظام معیشت و محنت نافذ کر دے ۔

مزدوروں (اجیروں) اور آجروں کے حقوق و فرائض کے بارے میں شریعت اسلامیہ کے احکام

اسلامی فقہ کے عظیم الشان لٹریچر میں آجروں اور اجیروں کے باب میں تفصیلی مباحث مطالعہ میں آتے ہیں ، اس وقت سطور ذیل میں مدینہ منورہ کے علامہ مولانا محمد عبد الغفار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبد الرحمٰن الشریف کی تحریر سے استفادہ مطلوب ہے صاحب موصوف رقم طراز ہیں کہ مغرب کے مفکر اور ان کے حاشیہ نشین بلند بانگ انداز سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انھوں نے انقلاب فرانس کے بعد حقوقِ انسانی کا تقرر کیا ہے اور یہی بات مشرق کے مفکرؔ اور ان کے خوشہ چیں کر رہے ہیں کہ انھوں نے یہ حقوق سوشلسٹ انقلاب کے بعد انسانیت کو دیے ہیں اور اس سلسلے میں اسلام کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں کہ وہ اس معاملے میں ناقص ہے۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ مزدوروں جیسے کمزور طبقے کے معاملے میں اسلام کو ظالم شمار کرتے ہیں۔
چنانچہ میں نے اس مختصر سے مضمون میں ان کی کج فہمی کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے صرف اللہ رب العالمین پر میرا بھروسہ ہے اسی سے تعاون و توفیق کا طلبگار ہوں۔ اگر بات صحیح بن گئی تو یہ صرف اللہ رب العالمین کی عنایت ہے اور اگر کمی رہ گئی تو قصور صرف میری ذات کا ہے۔ لہذا میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔

محترم علامہ صاحب مقدمہ کے طور پر چند سطور عمل۔ کام کی اہمیت اور اسلام میں حدود عمل بیان کرتے ہیں ازاں بعد مزدوروں کے حقوق تفصیلاً بیان کرتے ہیں جو اس مقالے میں اپنے مناسب مقام پر آپ کے مطالعہ میں آئیں گے

"عمل" کا لغوی مفہوم

عربی زبان میں "عمل"، پیشے، محنت، صنعت اور ہر طرح کے فعل کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع "اعمال" استعمال ہوتی ہے۔ ایسے کام کرنے والے کو "عامل" کہتے ہیں۔ اس لفظ کی جمع "عمّال" یا "عاملین" استعمال ہوتی ہے۔
لفظ "عمل" قرآن حکیم میں ۳۶۰ آیات میں لفظ "فعل" ۱۰۹ آیات میں استعمال ہوا ہے بعض جگہ تو مطلق استعمال ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا۔

"اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہو گی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا۔"

چنانچہ یہاں لفظ "عمل" عام ہونے کی وجہ سے دینی عمل اور دنیوی عمل دونوں کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یکساں استعمال ہوا ہے۔

بعض دوسری آیات میں لفظ "عمل" صرف دنیوی اعمال کے لیے آیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

"لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ" (یٰسٓ ۳۵)

"تاکہ یہ کھائیں اس کے پھل اور وہ چیزیں جو ان کے اپنے ہاتھ بناتے ہیں"

کام کی اہمیت

علوم معاشرت کے اہل علم کہتے ہیں" انسان اپنی طبیعت کے لحاظ سے معاشرت پسند ہے اور ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس انداز سے انسان کو پیدا کیا ہے۔ وہ غذا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطری طور پہ تلاشِ غذا کی رہنمائی فرمائی ہے اور اس کام کی استعداد بھی اس کے اندر رکھ دی ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ ایک آدمی تنہا بقدر ضرورت غذا حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اگر کم از کم ایک دن کی خوراک گندم کو ہی فرض کر لیں تب بھی اسے پیسنے، گوندھنے اور پکائے بغیر خوراک حاصل نہیں ہو سکتی اور ان تینوں کاموں کے اپنے اپنے آلات اور مشینیں ہیں جن سے کام مکمل کیا جاتا ہے بلکہ ہر کام ایک علیحدہ صنعت ہے: پہلا کام پیسنے والے کا ہے جو کہ عام طور پہ لوہار کرتا ہے آلات پیسنے کے بناتا ہے۔ دوسرا کام ایک ملازم کرتا ہے اور تیسرا کام باورچی کا ہے جو روٹی و سالن تیار کرتا ہے۔

چنانچہ ضرورت یہ ہے کہ کافی لوگ مل کر کام کریں تاکہ ان سب کے لیے خوراک کا انتظام ہو سکے اور تعاون باہمی کے نتیجے میں ہی بہت سارا کام نمٹ سکتا ہے۔

اسی طرح ہر آدمی اپنے دفاع اور تحفظ کے معاملے میں بھی دوسروں کا محتاج ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف حیوانات کی مختلف طبیعتیں بنائی ہیں اور ان میں قسم ہا قسم کی قوتیں اور صلاحتیں رکھی ہیں اور یہ قوتیں انسان کی قوتوں کے مقابلے میں بہرحال زیادہ ہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے انسان کو غور و فکر اور ہاتھ کی طاقت دی ہے اور ہاتھ انسانی سوچ کو صنعت کی شکل میں عملی جامہ پہنا سکتا ہے۔ صنعتوں کے ذریعے ایسے ایسے ہتھیار تیار کیے جا سکتے ہیں جن سے حیوانات کے مقابلے میں دفاع کا کام لیا جا سکے۔ چنانچہ ایک تنہا آدمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی قوت ان حیوانات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت تو نہیں رکھتی اور خاص طور پر درندہ حیوانات کا مقابلہ تو بالکل ناممکن ہے ۔ اسی طرح مختلف قسم کے دفاعی ہتھیار ایک ہی آدمی تو نہیں استعمال کر سکتا ہے ۔ لہٰذا دوسرے افراد سے تعاون ناگزیر ہے ۔ لہٰذا انسانیت کے لیے مل کر رہنا بھی لازمی ہے اور اس طرح باہمی تعاونِ عمل بھی ضروری ہے ۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا منشا بھی نامکمل رہ جاتا ہے کیونکہ انہی انسانوں کے ذریعے کائنات کی تعمیر ہونی ہے اور یہ تعمیر اشتراکِ عمل سے ممکن ہے ۔

اسلام کی نگاہ میں کام کی اہمیت

دوسری امتوں کے مقابلے میں اسلام کی نگاہ کام سے متعلق بہت مختلف ہے ۔ کیونکہ یہ اہم ترین عنصر قوموں کی زندگی کا ضامن ہے ۔ دورِ اسلام سے پہلے والی امتیں کام کو برا سمجھتی تھیں اور خاص طور پر فنی قسم کے کاموں کو ، بلکہ معاشرتی تقسیم بھی انہی کاموں کی وجہ سے ہوتی تھی ۔ چنانچہ چینی معاشرہ ۶۸۳ - ۶۴۰ قبل مسیح جوان جوغ کے زمانے میں تین حصوں میں تقسیم تھا ۔

۱۔ شاہی خاندان ۔ ۲ ۔ سرداران قوم ۳۔ رعایا

رعایا ہی معاشرے میں کام کرنے والا طبقہ تھا ۔ یونانی ۔ رومانی ۔ فارسی اور مصری معاشرے کا حال بھی اس سے زیادہ بہتر نہ تھا ۔ عرب بھی دورِ جاہلیت میں تجارت اور لوٹ مار میں مصروف رہتے تھے ۔ زراعت ۔ صنعت اور کشتی رانی جیسے پیشوں سے پہلو تہی کرتے تھے ۔

بنو تمیم ، بنو ازد کو کشتی ران ہونے کا طعنہ دیتے تھے ۔ اس لیے بنو ازد کے نوجوان عام طور پر عمان میں کشتی رانی کرتے تھے ۔ مکہ کے قریش اہلِ مدینہ کو اس لیے حقیر سمجھتے تھے کہ وہ پیشۂ زراعت سے منسلک تھے ۔

اسلام کا نقطۂ نظر کام سے متعلق بالکل ہی مختلف ہے ۔ اس کے نزدیک کام شرافت اور عبادت ہے ۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : مَا اَکَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَیْرًا مِنْ اَنْ یَاکُلَ مِنْ عَمَلِ یَدِہٖ وَاِنَّ نبی اللہ داؤدَ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كَانَ يَاكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ" (صحیح البخاری کتاب البیوع، باب کسب الرّجل و عمل بیدہٖ)

" سب سے بہتر کھانا اس آدمی کا ہے جو اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السّلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے "

کام کی شرافت بیان کرنے کے لیے یہ بات ہی کافی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہوش سنبھالا تو کام اور محنت سے ہی واسطہ پڑا ۔ چنانچہ آپؐ نے بچپن میں بکریاں چرائیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات فخریہ بیان کیا کرتے تھے ۔

عَنْ اَنَسٍؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ "مَا بَعَثَ اللّٰہُ نَبِیًّا اِلَّا رَعَی الْغَنَمَ قَالُوْا وَاَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ؟ قَالَ وَرَعَیْتُھَا لِاَھْلِ مَکَّۃَ عَلٰی قَرَارِیطَ "

(بخاری کتاب الاجارۃ ۔ باب ۲ رعی الغنم علیٰ قراریط)

"حضرت انسؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں، صحابہؓ نے دریافت کیا ۔ کیا آپؐ نے بھی چرائی ہیں ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ہاں میں نے بھی اجرت پر اہل مکّہ کی بکریاں چرائی ہیں "

(نوٹ) اس معنی کی حدیث صحیح مسلم ۔ سنن ابن ماجہ موطا امام مالک ۔ طبقات ابن سعد ۔ مسند الطیالسی اور مسند الامام احمد بن حنبل میں بھی موجود ہے)

اسلام نے صرف کام کی شرافت و عظمت ہی بیان نہیں کی ، بلکہ اسے مسلمانوں کا فرض قرار دیا ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ :

" مسلک امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے اکثر فقہاء کے علاوہ امام غزالی اور امام ابن الجوزی رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کاشت کاری ، کپڑا سازی اور تعمیر عمارت اور اسی طرح کے دوسرے کام فرض کفایہ ہیں ۔ اس لیے کہ اس کے بغیر لوگوں کی ضرورت پوری نہیں ہو سکتی " (نظام الدولہ عند ابن تیمیہ ص۱۳۵ مولفہ محمد المبارک)

امام ابن تیمیہ مزید فرماتے ہیں :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حسب ضرورت جسمانی کام واجب ہیں۔ جیسا کہ لوگوں کو تعلیم دینا اور فتویٰ دینا ضروری ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر ضروری ہے۔

(انتظام الدولۃ عند ابن تیمیہ ص ۱۲۵ مؤلفہ محمد المبارک)

اسلام میں حدودِ عمل

کام کا دائرہ اسلام میں بہت وسیع ہے۔ چنانچہ ہر قسم کا ثمر آور منصوبہ یا انسانی فلاح کی کوشش یا انسانی شرافت ومقام ومرتبت کی حفاظت کا پروگرام دائرۂ عمل میں شامل ہے زمان ومکان کی کسی قید اور شرط کے بغیر ایک مسلمان کام کے میدان میں مطلقاً آزاد ہے۔ جس قدر چاہے کام تلاش کرے بشرطیکہ اس کا کوئی فائدہ ہو اور حدودِ شریعت کے اندر ہو۔

مندرجہ ذیل دو طرح کے کاموں کے علاوہ ہر طرح کی کمائی حلال ہے:

۱۔ ہر وہ محنت جسے شرعاً حرام قرار دیا گیا ہو۔ جیسے جسم فروشی۔ علمِ نجوم وغیرہ۔ اس لیے کہ معاوضہ غلط کام کا مل رہا ہے۔ اور اسی طرح ہر وہ کام جو اگرچہ خود تو حرام نہ ہو لیکن کسی غلط کام کا تعاون ہو۔ جیسے شراب کی نقل وحمل۔ سودی کاروبار کی لکھائی پڑھائی وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ کسی ایسے کام کی نیابت کرنا جو ہر آدمی پر بذاتِ خود واجب اور فرض ہو جیسے نماز، روزہ۔ ایسے کاموں میں اصل مطلوب تو یہ ہے کہ جس کی ذمہ داری ہے وہ خود ادا کرے لہٰذا ان کاموں میں کسی زندہ کی طرف سے نیابت نہیں ہو سکتی۔ ہاں البتہ عذر کی صورت میں حج میں نیابت ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ شرعی حکم نے اس کی اجازت دی ہے۔

محنت سرمایہ اور تنظیم کا مقام

اس مقام کو سمجھنے کے لیے فقہاء مشورہ دیتے ہیں کہ اسلامی فقہ میں مزارعت اور مضاربت کا جو قانون بیان کیا گیا اس کا مطالعہ کیا جائے۔ موجودہ زمانے کے علم المعیشت میں زمین اور محنت اور سرمائے اور تنظیم کو جس طرح معاشی عوامل کی حیثیت سے بیان کیا گیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے ہے، ہمارے متقدمین کی کتابوں میں اس انداز سے اس کو بیان نہیں کیا گیا اور نہ اس موضوع پر الگ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ہمارے ہاں یہ سب مسائل فقہ کے مختلف ابواب میں بیان کئے گئے ہیں اور ان کی زبان علم المعیشت کی موجودہ اصطلاحوں سے مختلف ہے۔ لیکن جو شخص بھی اصطلاحوں کا علم یا معاشیات کے اصل موضوع اور مسائل کا فہم رکھتا ہے وہ بآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس فقہی زبان میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کے اندر معاشی تصورات کیا ہیں۔

ہماری فقہ میں مزارعت اور مضاربت کا جو قانون بیان کیا گیا ہے وہ زمین، محنت، سرمائے اور تنظیم کے بارے میں اسلام کے طرزِ فکر کو پوری طرح واضح کر دیتا ہے۔ مزارعت یہ ہے کہ زمین ایک شخص کی ہے اور اس پر کاشت دوسرا شخص کرتا ہے اور یہ دونوں اس کے فوائد میں حصّہ دار ہوتے ہیں۔ مضاربت یہ ہے کہ ایک آدمی کا روپیہ ہے اور دوسرا آدمی اس روپے سے کاروبار کرتا ہے اور یہ دونوں اس کے منافع میں حصّہ دار ہیں۔ معاملات کی ان شکلوں میں جس طرح اسلام نے زمین اور سرمائے والے اور اس پر کام کرنے والے کے حقوق تسلیم کئے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے نقطۂ نظر سے زمین بھی ایک معاشی عامل ہے اور انسان کی محنت بھی۔ سرمایہ بھی ایک معاشی عامل ہے اور اس پر انسان کی محنت اور تنظیمی قابلیت بھی۔ یہ سب عوامل منافع میں حصّہ داری کا استحقاق پیدا کرتے ہیں۔ اسلام ابتدائی طور پر ان مختلف عوامل کے درمیان حصّہ داری کا تعین عرفِ عام پر چھوڑتا ہے تاکہ اگر کسی معروف طریقے پر لوگ خود باہم انصاف کر رہے ہوں تو قانون مداخلت نہ کرے۔ لیکن اگر کسی معاملے میں انصاف نہ ہو رہا ہو تو یقیناً یہ قانون کا فریضہ ہے کہ اس میں انصاف کے حدود مقرر کرے۔ مثلاً اگر میں زمین کا مالک ہوں اور ایک شخص کو اپنی زمین بٹائی پر دیتا ہوں، یا کسی شخص سے مزدوری پر کاشت کا کام لیتا ہوں۔ یا کسی کو ٹھیکے پر دے دیتا ہوں اور اس کے ساتھ میری شرائط معروف طریقے پر انصاف کے ساتھ طے ہوتی ہیں تو قانون کو مداخلت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اگر میں بے انصافی کروں تو قانون کو مداخلت کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ قانون اس کے لیے ضوابط مقرر کر سکتا ہے کہ مزارعت ان اصولوں اور ان قواعد کے مطابق ہونی چاہیے۔ تاکہ نہ زمین والے کا حق مارا جائے اور نہ محنت کرنے والے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا حق تلف ہو۔ اسی طرح کاروبار میں سرمایہ لگانے والوں اور محنت اور تنظیم کرنے والوں کے درمیان بھی جب تک انصاف کے ساتھ خود معاملات طے ہو رہے ہوں اور کوئی کسی کا حق نہ مار رہا ہو، نہ کسی پر زیادتی کر رہا ہو، تو قانون مداخلت نہیں کرے گا۔ ہاں جب ان معاملات میں کسی طرح کی بھی بے انصافی آجائے گی تو قانون کو نہ صرف یہ کہ دخل دینے کا حق ہے بلکہ یہ اس کا فریضہ ہے کہ ان کے لیے ایسے منصفانہ قواعد مقرر کرے جن کے مطابق سرمایہ، محنت اور تنظیم، سب کاروبار کے منافع میں انصاف کے ساتھ حصہ دار بن جائیں۔

معاشی، سیاسی اور معاشرتی نظام کا تعلق

ایک اہم سوال یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک معاشی، سیاسی، معاشرتی اور مذہبی نظام کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ جواب یہ ہے کہ بالکل ایسا ہی تعلق ہے جیسا کہ جڑ سے تنے کا اور تنے سے شاخوں کا اور شاخوں سے پتوں کا ہوتا ہے۔ ایک ہی نظام ہے جو خدا کی توحید اور رسولوں کی رسالت پر ایمان سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی سے اخلاقی نظام بنتا ہے۔ اسی سے عبادات کا نظام بنتا ہے جس کو آپ مذہبی نظام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی سے معاشرتی نظام نکلتا ہے۔ اسی سے سیاسی نظام نکلتا ہے۔ یہ ساری چیزیں ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ اگر آپ خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں اور قرآن کو خدا کی کتاب مانتے ہیں تو آپ کو لامحالہ وہی اخلاقی اصول اختیار کرنے پڑیں گے جو اسلام نے سکھائے ہیں اور وہی سیاسی اصول اختیار کرنے پڑیں گے جو اسلام نے آپ کو دیے ہیں۔ اسی اصولوں پر آپ کو اپنی معاشرے کی تشکیل کرنی ہوگی اور اسی اصولوں پر اپنی معیشت کا سارا کاروبار چلانا ہوگا۔ جس عقیدے کی بنا پر آپ نماز پڑھتے ہیں اسی عقیدے کی بنا پر آپ کو تجارت کرنی پڑے گی۔ جس دین کا ضابطہ آپ کے روزے اور حج کو منضبط کرتا ہے اسی دین کے ضابطے کی پابندی آپ کو اپنی عدالت میں بھی کرنی ہوگی اپنے کارخانے، فیکٹری، دفتر، انڈسٹری، صنعتی مرکز اور اپنی منڈی میں بھی۔ بطور آجر بھی آپ پر دین کا ضابطہ لاگو ہوگا اور بطور آجیر بھی آپ اس ضابطۂ دین کے پابند ہوں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام میں مذہبی نظام، سیاسی نظام، معاشی نظام اور معاشرتی نظام الگ نہیں ہیں بلکہ ایک ہی نظام کے مختلف شعبے اور اجزا ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ پیوستہ بھی ہیں اور ایک دوسرے سے طاقت بھی حاصل کرتے ہیں۔ اگر توحید و رسالت اور آخرت کا عقیدہ موجود نہ ہو اور اس سے پیدا ہونے والے اخلاق موجود نہ ہوں تو اسلام کا معاشی نظام کبھی قائم نہیں ہو سکتا اور قائم کیا بھی جائے تو چل نہیں سکتا۔ اسی طرح اسلام کا سیاسی نظام بھی نہ قائم ہو سکتا ہے نہ چل سکتا ہے اگر خدا و رسولؐ اور آخرت پر عقیدہ اور قرآن پر ایمان نہ ہو۔ کیونکہ اسلام جو سیاسی نظام دیتا ہے اس کی بنا ہی اس عقیدے پر رکھی گئی ہے کہ خدا حاکم اعلیٰ ہے، رسول اس کا نمائندہ ہے، قرآن اس کا واجب الاطاعت فرمان ہے اور ہم کو آخر اپنے اعمال کی جواب دہی خدا کے سامنے کرنی ہے۔ پس یہ خیال کرنا ہی سرے سے غلط ہے کہ اسلام میں کوئی سیاسی یا معاشی نظام مذہبی اور اخلاقی نظام سے الگ اور بے تعلق بھی ہو سکتا ہے۔ جو شخص اسلام کو جانتا ہے اور جان کر اسے مانتا ہے وہ کبھی اس بات کا تصوّر تک نہیں کر سکتا کہ مسلمان ہوتے ہوئے اس کی سیاست اور معیشت، یا اس کی زندگی کا کوئی شعبہ اس کے مذہب سے جدا ہو سکتا ہے، یا سیاست و معیشت اور عدالت و قانون میں اسلام سے آزاد ہو کر، یا اسلام کے سوا کوئی دوسرا نظام اختیار کر کے، صرف "مذہبی" امور میں اس کی پیروی کرنے کا نام بھی اسلامی زندگی ہے۔

مسائل محنت اور ان کے حل کی اسلامی راہ

عالم اسلام کے عظیم مفکر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی پاکستان نے سیرویلفیئر کمیٹی پاکستان کے کنونشن میں جو تقریر فرمائی تھی جس میں مزدوروں اور آجروں کے لیے اسلامی شریعت کے رہنما اصول بیان فرمائے۔ وہ یہ ہے۔

اس وقت صنعت کار جن مشکلات میں گرفتار اور جن مسائل سے دوچار ہیں ان کی اصل وجہ معاشی نظام کی خرابی ہے اور خود معاشی نظام کی خرابیوں کا ذمہ دار وہ بگڑا ہوا نظام زندگی ہے جس کا یہ معاشی نظام محض ایک جزء ہے۔ جب تک یہ پورا نظامِ زندگی نہیں بدلے گا اور اس کے نتیجہ میں معاشی نظام بہتر نہ ہوگا، محنت کش طبقہ کی موجودہ مشکلات کلی طور پر رفع نہیں ہو سکتیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بگاڑ کے وجوہ

اس وقت ہمارے ملک میں جو معاشی نظام رائج ہے وہ صرف انگریزی دورِ حکومت ہی کی یادگار نہیں ہے بلکہ انگریزوں سے بھی پہلے اس نظام کی خرابیاں واضح تھیں۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی لوگ چیخ رہے تھے اور ایک ظالمانہ معاشی نظام سے سخت نالاں و پریشان تھے جب انگریز آئے تو انہوں نے اس وقت کی موجود خرابیوں پر بے شمار نئی خرابیوں کا اضافہ کردیا اور پہلے سے کہیں بدتر نظام ملک پر مسلّط کر دیا۔

انگریزی دور میں خرابیوں کے اضافے کی وجہ یہ تھی کہ اوّل تو وہ ایک خالص مادہ پرستانہ تہذیب کے علمبردار تھے۔ دوسرے وہ اس سرمایہ دارانہ نظام کے عروج کا زمانہ تھا جس میں سرمایہ دار کو مکمل آزادی حاصل تھی اور اس پر کوئی قدغن نہ تھی۔ اس پر مزید یہ کہ انگریز اپنے ساتھ استعماری اغراض لے کر آئے تھے اور یہاں کے باشندوں کو لوٹ کر اپنے قومی مفاد کی خدمت کرنا ان کے پیشِ نظر تھا۔ ان تین چیزوں کی وجہ سے ان کا مسلّط کردہ نظام ظلم کا مجموعہ بن گیا۔

اس کے بعد ہمیں ان کی غلامی سے نجات مل گئی مگر افسوسناک امر یہ ہے کہ ان کے چلے جانے پر بھی، یہاں کے معاشی نظام میں کسی تبدیلی کے آثار رونما نہ ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سیاسی انقلاب کسی اخلاقی اور فکری انقلاب کی جدوجہد کے نتیجے میں رونما نہیں ہوا بلکہ یہ ایک مصنوعی انقلاب تھا جو محض ایک سیاسی کشمکش کے نتیجہ میں رونما ہوگیا تھا کسی نظامِ زندگی کا واضح تصوّر موجود نہ تھا۔ ملّت کے سامنے کوئی پروگرام نہ تھا جسے لے کر چلنا مقصود ہوتا۔ آزادی ملنے کے بعد سے آج تک ہمارے ہاں کسی خرابی میں کمی واقع نہیں ہوئی ہے بلکہ اضافہ ہی ہوتا رہا ہے۔ انگریز نے سرمایہ داری، استعماریت اور مادہ پرستی کی بنیاد پر جو نظام قائم کیا تھا وہ آج بھی جوں کا توں قائم ہے۔ اسے بدلنے کے بجائے الٹا اسکو ترقی دی جارہی ہے۔ جو قوانین اس نظام کی حفاظت کے لیے بنائے گئے تھے، ان میں پاکستان بننے کے بعد کسی تبدیلی اور ترمیم کی ضرورت تک محسوس نہیں کی گئی۔ انگریزوں نے اپنی استعماری طاقت کے استحکام کے لیے جو ضوابط بنائے تھے وہ اسی طرح قائم ہیں۔ وہی انتظامی پالیسی کارفرما ہے اور وہی تعلیمی نظام رائج ہے

اگر ہماری آزادی کسی اخلاقی اور اصولی جدوجہد کا فطری نتیجہ ہوتی تو ہمارے سامنے اوّل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روز سے کوئی نقشہ ہوتا جس پر اس ملک کو چلایا جاتا ۔ یہ نقشہ بہت پہلے بنا لیا گیا ہوتا اور آزادی ملنے کے بعد ایک دن بھی ضائع کئے بغیر ہم ایک متعین راہ پر چل پڑتے ۔ لیکن ایسا نہیں ہوا ۔ آج ہمارے دورِ غلامی کی خرابیاں کم ہونے کے بجائے بڑھ رہی ہیں ۔ بلکہ انگریزی دور کی خرابیوں میں ہمارے ہاں اب بہت کچھ اضافہ ہو چکا ہے اور ان کو نشو و نما نصیب ہو رہا ہے ۔

حقیقی ضرورت

اس وقت ہماری حقیقی ضرورت یہ ہے کہ سارا نظام زندگی تبدیل کیا جائے جب تک یہ نہیں ہوگا کوئی تکلیف، کوئی شکایت اور کوئی خرابی کلی طور پر رفع ہونی ممکن نہیں ہے ۔ خرابیوں کا اصل علاج یہ ہے کہ سارا نظام اپنی نظریاتی اور اخلاقی بنیادوں کے ساتھ بدلا جائے اور اس کو دوسری اخلاقی و نظریاتی بنیادوں پر قائم کیا جائے جو اجتماعی انصاف کی ضامن ہوں ۔ جب نظامِ زندگی بدلے گا تو عدل و انصاف خود قائم ہو جائے گا اور محنت پیشہ لوگوں کی مشکلات اور شکایات آپ سے آپ دور ہو جائیں گی ۔

ہمارے نزدیک نظامِ زندگی کے لیے ایسی بنادیں جو فی الواقع اجتماعی عدل کی ضامن ہو سکیں صرف اسلام ہی فراہم کر سکتا ہے اور اسی کے قیام کی ہم کوشش کر رہے ہیں ۔ اگرچہ آج کل بہت سے لوگ اسلامی انصاف کے مختلف تصورات پیش کر رہے ہیں کسی کے نزدیک اس کی تعبیر کچھ ہے اور کسی کے نزدیک کچھ لیکن یہ کوئی گھبرانے کی بات نہیں ہے ۔ اسلام کے اصل ماخذ کتاب و سنت موجود ہیں ؟ جو تعبیر بھی چل سکے گی بہرحال وہ وہی ہو گی جس کے لیے قرآن و سنت میں کوئی دلیل مل سکے ۔ اور آخر کار مسلم معاشرے کی رائے عامہ ہی یہ فیصلہ کرے گی کہ اسے کونسی تعبیر قبول ہے اور کونسی نہیں ۔ اس لیے اختلافِ تعبیرات سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ۔ قرآن و سنت کی بنیاد پر جو نظامِ زندگی بھی قائم ہوگا انشاء اللہ عدل و انصاف کا ضامن ہوگا ۔

مشکلات کا حل

لیکن جب تک نظامِ زندگی میں یہ بنیادی تبدیلی نہ ہو ہمیں کوشش کرنی ہے کہ جس حد تک بھی انصاف قائم ہو سکے کیا جائے، اور محنت کش لوگوں کی تکالیف و شکایات کو رفع کرانے کے لیے جو کچھ بھی کیا جا سکتا ہے اس میں دریغ نہ کیا جائے ۔ لیبر ویلفیر کمیٹی پاکستان اسی مقصد کے لیے کام کر رہی ہے ۔ یہ ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقتی اور ضمنی کوشش ہے اور اس وقت تک کے لیے ہے جب تک نظام زندگی کی تبدیلی میں ہمیں کامیابی نصیب نہ ہو جائے ۔ اس کے ساتھ اس نئی مزدور تحریک کا ایک چھوٹا سا مقصد یہ بھی ہے کہ کوئی گروہ محنت کشوں کی مشکلات سے فائدہ اٹھا کر اسلام کے سوا کسی دوسرے نظام کے لیے انہیں اپنا آلۂ کار نہ بنا سکے ۔

اس دوسرے مقصد کی وضاحت میں اس طرح کروں گا کہ مختلف لوگوں کی نفسیات مختلف ہوتی ہیں ۔ مثلاً ایک شخص تکلیف سے کراہ رہا ہے ۔ ایک ذہن اسے دیکھ کر یہ سوچتا ہے کہ یہ وقت ہے اس شخص کو لوٹ لینے کا ، اس کی تکلیف اور بیماری سے فائدہ اٹھانے کا اور اس کی مصیبت کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرنے کا دوسرا شخص اس طرح سوچتا ہے کہ جب تک اس شخص کے مکمل علاج کا کوئی انتظام نہ ہو سکے اسے کسی نہ کسی طرح فرسٹ ایڈ بہم پہنچائی جائے اور اس کی تکلیف میں جس حد تک ممکن ہو کمی کی جائے ۔ محنت کش طبقہ کے معاملہ میں اس وقت یہ دونوں طرح کے نفسیات اپنا اپنا کام کر رہے ہیں ۔ یہ طبقہ اس وقت سخت مشکلات میں گرفتار ہے اور جدید سرمایہ دارانہ نظام نے اسے بے شمار تکلیفوں اور پریشانیوں میں مبتلا کر رکھا ہے ۔ ایک گروہ چاہتا ہے کہ اس کی مشکلات کو سیاسی مفاد کے لیے استعمال کرے ۔ اس کا اصل مقصد ان مشکلات کو دور کرنا اور ان شکایات کو رفع کرنا نہیں ہے ۔ بلکہ اس کی کوشش یہ ہے کہ یہ اور بڑھیں ، کوئی شکایت ہو دور بھی ہو سکتی ہو تو اسے دور نہ ہونے دیا جائے کوئی زخم بھر سکتا ہو تو اسے اور زیادہ کھرچ دیا جائے ، تاکہ اس طبقے کی بے چینی بڑھے اور اسے توڑ پھوڑ کے لیے ، نظم و نسق تباہ کرنے کے لیے اور بالآخر ایک اشتراکی نظام برپا کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکے ۔ جس نظام کو یہ لوگ مزدور کی جنّت کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں درحقیقت وہ مزدور کی دوزخ ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ محنت کش طبقہ کی حقیقی شامت اس روز شروع ہو گی جس روز خدانخواستہ وہ نظام برپا ہو گیا ، بلاشبہ آج مزدور کی حالت ناگفتہ بہ ہے لیکن ایک اشتراکی نظام میں اس کی جو حالت ہو گی اس کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا ۔ آج آپ مطالبات کر سکتے ہیں ۔ مطالبات نہ مانے جائیں تو ہڑتال کر سکتے ہیں ، جلسے کر سکتے ہیں ، جلوس نکال سکتے ہیں ۔ شور مچا سکتے ہیں ۔ ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ قسمت آزمائی کے لیے بھی جا سکتے ہیں ۔ اشتراکی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جنت میں ان سب چیزوں کا دروازہ بند ہوگا ۔ وہاں مزدوروں کے لیے کتنی تکلیف پر دم مارنے کی بھی گنجائش نہ ہوگی ۔ جلسہ اور جلوس کیسا اور ہڑتال کا کیا ذکر ۔

پھر اس کے لیے وہاں ایک دو کے سوا کوئی دوسرا اور بھی نہ ہوگا جس پر آدمی قسمت آزمائی کے لیے جا کھڑا ہو ۔ سارے ملک میں ایک زمیندار ہوگا جس کی کاشتکاری خواستہ ناخواستہ کرنی ہوگی ۔ سارے ملک میں ایک کارخانہ دار ہوگا جس کے ہاں مزدوری کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا ۔ خواہ آپ کی گزر اوقات ہو سکے یا نہ ہو سکے ۔ وہی کچھ آپ کو قبول کرنا ہوگا جو وہ عنایت کر دے ۔ اس نظام کو قائم کرنے کے لیے یہ گروہ محنت کش طبقے کو آلۂ کار بنانا چاہتا ہے اور اس غرض کے لیے وہ ان غریب لوگوں کے مسائل اپنے ہاتھ میں لیتا ہے تاکہ ان کا کوئی مسئلہ حل نہ ہو سکے اور انھیں اشتراکی انقلاب برپا کرنے کے لیے استعمال کیا جائے ۔ یہ گروہ مزدوروں اور کسانوں کو دھوکا دینے کے لیے انہیں یہ امید دلاتا ہے کہ اشتراکی انقلاب تمام کارخانوں اور زمینوں کو سرمایہ داروں اور جاگیرداروں سے چھین کر ان کی ملکیت بنا دے گا، حالانکہ در اصل وہ انھیں چھین کر اشتراکی حکومت کی ملک بنائے گا اور سب اس حکومت کے مزدور و کاشت کار بن کر رہ جائیں گے ۔ یہ گروہ دنیا بھر میں مزدوروں کے لیے ہڑتال کے حق کا مطالبہ کرتا ہے اگر دنیا میں جہاں بھی اشتراکی حکومت قائم ہوئی ہے وہاں سب سے پہلے مزدور سے ہڑتال کا حق چھین لیا گیا ہے ۔ یہ گروہ مزدوروں سے کہتا ہے کہ سوشلسٹ نظام میں مزدوروں کو سرے سے کوئی شکایت ہی پیدا نہ ہوگی جس کے لیے وہ ہڑتال کریں ۔ حالانکہ یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ جہاں کروڑوں آدمی چند حکمرانوں کے ماتحت کام کر رہے ہوں وہاں کارکنوں کو کبھی کسی قسم کی شکایت پیدا نہ ہو سکے ۔ سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شکایت پیدا ہو تو کیا اشتراکی حکومت میں مزدور کوئی انجمن بنا سکتا ہے ؟ کوئی آزاد پلیٹ فارم ایسا پا سکتا ہے جہاں وہ اپنی فریاد بلند کر سکے ؟ کوئی آزاد پریس پا سکتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنی تکلیف کا اظہار کر سکے ؟ بلکہ حرف شکایت زبان پر لانے کے بعد وہ جیل کی ہوا کھانے سے بھی بچ سکتا ہے ؟

یہی وجوہ ہیں جن کی بنا پر ہم سمجھتے ہیں کہ مزدور اور کاشت کار کے ساتھ جو ظلم آج سرمایہ دار اور جاگیردار اور بڑے بڑے زمیندار کارخانہ دار کر رہے ہیں اس سے شدید تر ظلم کی تیاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ سوشلسٹ لوگ کر رہے ہیں جو ان کو اشتراکی انقلاب کی آگ کا ایندھن بنانا چاہتے ہیں۔

اصلاح کے اصول

اس کے برعکس ہم یہ چاہتے ہیں کہ جب تک اجتماعی انصاف کا اسلامی نظام قائم نہ ہو۔ اس مصیبت زدہ طبقے کی تکالیف کو جہاں تک بھی ممکن ہو رفع کرایا جائے اور اسے کسی سیاسی ایجی ٹیشن کے لیے آلۂ کار نہ خود بنایا جائے نہ کسی کو بنانے دیا جائے۔

ہم طبقاتی کشمکش کے قائل نہیں ہیں بلکہ دراصل ہم تو طبقاتی احساس اور طبقاتی امتیاز ہی کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ ایک معاشرے میں طبقے دراصل ایک غلط نظام سے پیدا ہوتے ہیں۔ اخلاق کی خرابی ان میں امتیازات کو ابھارتی ہے۔ اور بے انصافی ان کے اندر طبقاتی احساس پیدا کر دیتی ہے۔ اشتراکیت کا پروگرام یہ ہے کہ اس طبقاتی احساس کو زیادہ سے زیادہ تیز کر کے ایک ہی معاشرے کے مختلف طبقوں کو لڑا دیا جائے اور سرمایہ داری و جاگیرداری کے ظالمانہ نظام کو درہم برہم کر کے اشتراکیت کا اس سے بھی زیادہ ظالمانہ نظام قائم کر دیا جائے۔ ہم اس کے برعکس انسانی معاشرے کو ایک تنِ واحد کے اعضاء کی طرح سمجھتے ہیں۔ جس طرح ایک جسم میں مختلف اعضاء ہوتے ہیں اور جسم کے اندر ان کا مقام اور ان کا کام جدا جدا ہوتا ہے مگر ہاتھ کی پاؤں سے اور دماغ کی جگر سے کوئی لڑائی نہیں ہوتی، بلکہ جسم زندہ ہی اس طرح رہتا ہے کہ یہ سب اپنے اپنے مقام پر اپنا اپنا کام کرتے ہوئے ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح ہم چاہتے ہیں کہ معاشرے کے مختلف اجزاء بھی اپنی اپنی جگہ اپنی قابلیت وصلاحیت اور فطری استعداد کے مطابق کام کرتے ہوئے ایک دوسرے کے ہمدرد و مددگار اور مونس و غمخوار بنیں اور ان کے اندر طبقاتی کشمکش تو درکنار طبقاتی احساس اور طبقاتی امتیاز ہی پیدا نہ ہونے پائے۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہر شخص خواہ وہ اجیر ہو یا مستاجر، اپنے حقوق سے پہلے اپنے فرائض کو پہچانے اور انھیں ادا کرنے کی فکر کرے۔ افراد میں جتنا جتنا احساس فرض بڑھتا جائے گا کشمکش ختم ہوتی جائے گی اور مشکلات کی پیدائش کم ہوتی جائے گی۔

ہم چاہتے ہیں کہ لوگوں کی اخلاقی حس بیدار کی جائے اور "اخلاقی انسان" کو اس "ظالم حیوان" کے چنگل سے چھڑایا جائے جو اس پر غالب آگیا ہے۔ اگر افراد کے اندر کا یہ اخلاقی انسان اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غالب حیوانیت سے آزاد ہو کر کام کرنے لگے تو خرابیوں کا سرچشمہ ہی سوکھتا چلا جائے گا۔

ہمارے نزدیک اصلاح کی کوشش کرنے والوں کو بیک وقت ملک کے معاشی نظام کی اصلاح کے لیے بھی کام کرنا چاہیے اور اس کے ساتھ محنت لینے والوں اور محنت کرنے والوں کو بھی راہِ راست دکھانی چاہیے۔

محنت لینے والوں سے ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ اگر خود اپنے خیر خواہ ہیں اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہیں ڈالنا چاہتے تو زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کی فکر میں اندھے نہ ہو جائیے، حرام خوری اور ناجائز نفع اندوزی چھوڑ دیجئے، جن لوگوں سے آپ محنت لیتے ہیں ان کے جائز حقوق کو خود سمجھئے اور ادا کیجئے اور ملک کی ترقی کے سارے فوائد آپ ہی نہ سمیٹ لیجئے بلکہ اس قوم کے عام افراد تک ان کو پہنچنے دیجئے جس کی مجموعی سعی و کوشش اور جس کے مجموعی ذرائع سے یہ ترقی ہو رہی ہے۔ دولت صرف سرمائے سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس کے ساتھ جب تنظیم، فنی قابلیت اور جسمانی محنت مل کر کام کرتی ہے، تب وہ منافع حاصل ہوتے ہیں جن کا نام دولت ہے اور ان کے حصول میں معاشرے کا وہ پورا نظام مددگار ہوتا ہے جسے ریاست کہا جاتا ہے۔ ان منافع کو اگر انصاف کے ساتھ تمام عوامل پیدائش کے درمیان تقسیم کیا جائے اور ان طریقوں کو ترک کر دیا جائے جن کو اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے تو ان تخریبی تحریکوں کے برپا ہونے کی نوبت ہی کبھی نہیں آسکتی جو بالآخر خود آپ ہی کی تباہی کی موجب ہوں گی۔

محنت کرنے والوں سے ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ انصاف کی رُو سے خود یہ سمجھیں کہ آپ کے جائز حقوق کیا ہیں اور سرمایہ لگانے والوں، تنظیمی اور کاروباری قابلیتیں صرف کرنے والوں اور فنی صلاحیتیں استعمال کرنے والوں کا اُس دولت میں جائز حصّہ کیا ہے جو ان کے ساتھ آپ کی محنت کے شامل ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ آپ کی جو تحریک بھی اپنے حقوق کے لیے جاری ہو اس کو لازماً انصاف پر مبنی ہونا چاہیے اور آپ کو کبھی اپنے حقوق کا وہ مبالغہ آمیز تصوّر اختیار نہ کرنا چاہیے جو طبقاتی جنگ برپا کرنے والے لوگ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اور جائز حقوق کے لیے آپ کی جو کوشش بھی ہو، ئمنہ ذرائع سے ہونی چاہیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس صورت میں یہ ہر حق پرست انسان کا فرض ہوگا کہ وہ آپ کی تائید کرے۔

ملک کے معاشی نظام میں اسلامی نقطۂ نظر سے جو اصلاحات مطلوب ہیں۔ وہ یہ ہیں:

ا:- سود۔ سٹہ جوا اور دوسرے ان تمام طریقوں کو جنھیں اسلامی شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔ قانوناً ممنوع کر دیا جائے اور صرف کسبِ حلال کے دروازے لوگوں کے لیے کھلے رکھے جائیں۔ نیز حرام طریقوں سے دولت صرف کرنے کے دروازے بھی بند کر دیے جائیں۔ صرف اسی طرح نظامِ سرمایہ داری کی جڑ کٹ سکتی ہے اور وہ آزاد معیشت بھی باقی رہ سکتی ہے جو جمہوریت کے لیے ضروری ہے۔

۲:- اب تک ناجائز اور حرام طریقوں اور فاسد نظام کی غلط بخششوں سے دولت کا جو انتہائی ظالمانہ ارتکاز ہو چکا ہے اس کا استیصال کرنے کے لیے اسلامی اصول کے مطابق ان تمام لوگوں کا سختی کے ساتھ محاسبہ کیا جائے جن کے پاس دولت کا غیر معمولی اجتماع پایا جاتا ہے اور وہ سب کچھ ان سے واپس لیا جائے جو حرام طریقوں سے حاصل کیا گیا ہے۔

۳:- ایک طویل مدّت تک زرعی املاک کے معاملہ میں غلط نظام رائج رہنے کی وجہ سے جو ناہمواریاں پیدا ہو چکی ہیں ان کو ختم کرنے کے لیے شریعت کے اس قاعدے پر عمل کیا جائے کہ غیر معمولی حالات میں ایسی غیر معمولی تدابیر اصلاح اختیار کی جاسکتی ہیں جو اسلام کے اصولوں سے متصادم نہ ہوتی ہوں " اس قاعدے کو ملحوظ رکھتے ہوئے:

الف: ان تمام نئی اور پرانی جاگیر داریوں کو قطعی ختم کر دیا جائے جو کسی دورِ حکومت میں اختیارات کے ناجائز استعمال سے پیدا ہوئی ہوں، کیوں کہ ان کی ملکیت ہی شرعی طور پر صحیح نہیں ہے۔

ب: قدیم املاک کے معاملہ میں زمین کی ملکیت کو ایک خاص حد تک (مثلاً سو یا دو سو ایکڑ) تک محدود کر دیا جائے اور اس سے زائد ملکیت کو منصفانہ شرح پر خرید لیا جائے۔ یہ تحدید صرف عارضی طور پر پچھلی ناہمواریوں کو دور کرنے کے لیے کی جاسکتی ہے۔ اسے مستقل حیثیت نہیں دی جاسکتی، کیوں کہ مستقل تحدید صرف اسلامی قانونِ وراثت سے نہیں بلکہ متعدد دوسرے شرعی قوانین سے بھی متصادم ہوتی ہے۔

ج: تمام زمینیں خواہ وہ سرکاری املاک میں سے ہوں یا مذکورۂ بالا دونوں طریقوں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل ہوئی ہوں یا نئے بیراجوں کے ذریعے سے کاشت کے قابل ہوگئی ہوں، ان کے بارے میں یہ قاعدہ طے کر دیا جائے کہ وہ غیر مالک کاشت کاروں، یا اقتصادی حد سے کم زمین کے مالکوں کے ہاتھ آسان اقساط پر فروخت کی جائیں گی اور اس معاملہ میں قریبی علاقوں کے لوگوں کا حق مقدم رکھا جائے گا۔ سرکاری طور پر لوگوں یا افسروں کو سستے داموں دینے یا عطیے کے طور پر دے دینے کا طریقہ بند کر دیا جائے اور جن کو اس طرح زمینیں دے دی گئیں ہیں انھیں واپس لے لیا جائے نیز نیلام کے ذریعے سے فروخت کرنے کا طریقہ بھی ترک کر دیا جائے۔

۳: مزارعت کے متعلق اسلامی قوانین کی سختی کے ساتھ پابندی کرائی جائے اور تمام غیر اسلامی طریقوں کو از روئے قانون روک دیا جائے، تاکہ کوئی زمینداری ظلم کی شکل اختیار نہ کر سکے۔

۴:۔ معاوضوں کے درمیان موجودہ تفاوت کو جو ایک اور سو سے بھی زیادہ ہے گھٹا کر فی الحال ایک اور بیس کی نسبت پر اور بتدریج ایک اور دس کی نسبت پر لے آیا جائے۔ نیز یہ طے کر دیا جائے کہ کوئی معاوضہ اس حد سے کم نہ ہو جو موجودہ زمانے کی قیمتوں کے لحاظ سے ایک کنبے کی بنیادی ضروریات کے لیے ناگزیر ہے۔ یہ حد بحالتِ موجودہ ڈیڑھ ہزار اور دو ہزار کے درمیان ہونی چاہیے اور قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کم سے کم حدِ معاوضہ پر وقتاً فوقتاً نظرِ ثانی کی جاتی رہنی چاہیے۔

۵:۔ کم تنخواہ پانے والے ملازمین کو مکان، علاج اور بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں مناسب سہولتیں دی جائیں۔

۶:۔ تمام صنعتوں میں مزدوروں کو مذکورۂ بالا کم سے کم حدِ معاوضہ کے علاوہ نقد بونس بھی دیا جائے اور بونس شیئرز کے ذریعہ سے انھیں صنعتوں کی ملکیت میں حصہ دار بنایا جائے، تاکہ جس صنعت سے وہ تعلق رکھتے ہیں اس کی ترقی سے ان کی ذاتی دلچسپی وابستہ ہو جائے اور جس دولت کے پیدا کرنے میں ان کی محنت شامل ہے، اس کے منافع میں بھی وہ حصہ دار ہوں۔

۷:۔ موجودہ لیبر قوانین کو بدل کر ایسے منصفانہ قوانین بنائے جائیں جو سرمایہ اور محنت کی کش مکش کو حقیقی تعاون میں تبدیل کر دیں، محنت پیشہ گروہ کو اس کے جائز حقوق دلوائیں اور تنازعات کی صورت میں تصفیہ کا ایسا طریقہ مقرر کر دیں جو ٹھیک ٹھیک انصاف قائم کر سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۸:۔ ملکی قوانین اور انتظامی پالیسیوں میں اس طرح ترمیم و اصلاح کی جائے کہ صنعت و تجارت پر سے چند لوگوں کا تسلط ختم ہو اور معاشرے کے زیادہ سے زیادہ افراد ان کی ملکیت اور منافع میں حصہ دار بن سکیں۔

نیز قوانین اور پالیسیوں کی ان تمام خامیوں کو بھی دور کیا جائے جن کی بدولت ناجائز نفع اندوزیاں کی جاتی ہیں۔ مصنوعی گرانی پیدا کر کے خلقِ خدا کے لیے زندگی بسر کرنا دشوار کر دیا جاتا ہے اور ملک کی معاشی ترقی کا فائدہ عوام تک نہیں پہنچنے دیا جاتا۔

۹:۔ جن صنعتوں کو کلیدی اور بنیادی اہمیت حاصل ہے اور جن کا نجی ہاتھوں میں چلنا اجتماعی حیثیت سے نقصان دہ ہے ان کو قومی انتظام میں چلایا جائے۔

اس امر کا فیصلہ کرنا کہ کن صنعتوں کو قومی انتظام میں چلانا ضروری ہے، ایک ایسی نمائندہ اسمبلی کا کام ہے جو عوام کی آزاد مرضی سے منتخب ہوئی ہو اور اس کا فیصلہ کرتے ہوئے یہ اطمینان کر لینا بھی ضروری ہے کہ ان صنعتوں کا انتظام بیوروکریسی کی ان معروف خرابیوں کا شکار نہ ہونے پائے جن کی بدولت صنعتوں کو قومی انتظام میں چلانا فائدے کے بجائے الٹا نقصان کا موجب بن جاتا ہے۔

۱۰:۔ بنکنگ انشورنس کے اس پورے نظام کو، جو درحقیقت یہودی سرمایہ داروں کے دماغ کا آفریدہ ہے اور جس کی تقلید ہمارے ملک میں بھی کی جا رہی ہے، یکسر بدل کر اسلامی اصول شرکت و مضاربت اور تعاونِ باہمی کے مطابق از سرِ نو تعمیر کیا جائے۔ اس بنیادی اصلاح کے بغیر ان دونوں چیزوں کے مفاسد کسی طرح دور نہیں کیے جا سکتے، خواہ انھیں قومی ملکیت ہی میں لے لیا جائے۔

۱۱:۔ زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم کا بہتر انتظام کر کے کفالتِ عامہ کی اس اسلامی اسکیم کو عمل میں لایا جائے جس سے بہتر سوشل سیکورٹی کی کوئی اسکیم آج تک کوئی نظام وضع نہیں کر سکی ہے۔ یہی ایک یقینی ذریعہ ہے جس سے ملک میں کوئی فرد غذا، لباس، مکان، علاج اور تعلیم سے محروم نہیں رہ سکتا۔

۱۲:۔ پاکستان میں صوبوں کے درمیان عدم مساوات دور کر کے ترقیاتی فنڈ کی مرکز کی طرف سے منصفانہ ترسیل ہو تاکہ فلاح و بہبود کے صوبائی شعبے بطریقِ احسن خدمتِ عوام کر سکیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرکز اور صوبوں کی باہمی رسہ کشی سے ترقیاتی اسکیموں پر عملدرآمد نہیں ہو سکتا یوں نہ مرکزی حکومت عوام کی فلاح و بہبود کا کام کر سکتی ہے اور نہ کوئی صوبائی حکومت خدمت عوام کر سکتی ہے۔ محاذ آرائی کی بجائے آپس میں تعاون کی پالیسی اختیار کرنا ہر ایک کا فرض ہے جس کے احساس کو بیدار کرنے کی اشد ضرورت اس وقت محسوس کی جا رہی ہے۔

لیکن یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ صرف معیشت ہی انسانی زندگی کا اصلی اور واحد مسئلہ نہیں ہے وہ زندگی کے دوسرے مسائل کے ساتھ گہرا ربط رکھتی ہے۔ جب تک اسلامی تعلیمات اور احکام کے مطابق اخلاق، معاشرت، تعلیم، سیاست، قانون اور نظم و نسق کے تمام شعبوں میں ہمہ گیر اصلاحات نہ ہوں، محض معاشی اصلاح کا کوئی پروگرام بھی کامیاب اور نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا۔

باطل حق کے بھیس میں

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جس احسنِ تقویم پر پیدا کیا ہے اس کے عجیب کرشموں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عریاں فساد اور بے نقاب فتنے کی طرف کم ہی راغب ہوتا ہے اور اس بنا پر شیطان اکثر مجبور ہوتا ہے کہ اپنے فتنہ و فساد کو کسی نہ کسی طرح صلاح و خیر کا دھوکہ دینے والا لباس پہنا کر اس کے سامنے لائے۔ جنت میں آدم علیہ السّلام کو یہ کہہ کر شیطان ہرگز دھوکہ نہ دے سکتا تھا کہ میں تم سے خدا کی نافرمانی کرانا چاہتا ہوں تاکہ تم جنت سے نکال دیے جاؤ۔ بلکہ اس نے یہ کہہ کر انھیں دھوکہ دیا کہ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا یَبْلٰى (کیا میں تمہیں وہ درخت نہ بتاؤں جو حیاتِ ابدی اور لازوال بادشاہی کا درخت ہے۔ سورۃ طٰہٰ۔ ۱۲۰) یہی انسان کی فطرت آج تک بھی چل رہی ہے۔ آج بھی جتنی غلطیوں اور حماقتوں میں شیطان اس کو مبتلا کر رہا ہے وہ سب کسی نہ کسی پر فریب نعرے اور کسی نہ کسی جھوٹے لبادے میں ہی مقبول ہو رہی ہیں۔

فریب اول۔ سرمایہ داری اور لادینی جمہوریت

© rasailojaraid.com

انہی دھوکوں میں سے ایک بہت بڑا دھوکہ وہ ہے جو موجودہ زمانے میں اجتماعی عدل

© rasailojaraid.com

SOCIAL JUSTICE کے نام سے بنی نوع انسان کو دیا جا رہا ہے۔ شیطان پہلے ایک مدّت تک دنیا کو حرّیتِ فرد (INDIVIDUAL LIBERTY) اور فراخ دلی (LIBERALISM) کے نام سے دھوکہ دیتا رہا اور اس کی بنیاد پر اس نے اٹھارہویں صدی میں سرمایہ داری اور لادینی جمہوریت کا ایک نظام قائم کرایا۔ ایک وقت اس نظام کے غلبے کا یہ حال تھا کہ دنیا میں اسے انسانی ترقی کا حرفِ آخر سمجھا جاتا تھا اور ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو ترقی پسند کہلانا چاہتا ہو مجبور تھا کہ اس انفرادی آزادی اور فراخ دلی کا نعرہ لگائے۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ حیاتِ انسانی کے لیے اگر کوئی نظام ہے تو بھی وہ یہی سرمایہ داری نظام اور یہی جمہوریت ہے جو مغرب میں قائم ہے۔ لیکن دیکھتے دیکھتے وہ وقت بھی آ گیا جب ساری دنیا یہ محسوس کرنے لگی کہ اس شیطانی نظام نے زمین کو ظلم سے بھر دیا ہے۔ اس کے بعد ابلیس لعین کے لیے ممکن نہ رہا کہ اس نعرے سے مزید کچھ مدت تک نوعِ انسان کو دھوکہ دے سکے۔

فریب دوم ۔ اجتماعی عدل اور اشتراکیت

پھر کچھ زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ وہی شیطان ایک دوسرا فریب اجتماعی عدل اور اشتراکیت کے نام سے بنا لایا اور اب اس جھوٹ کے لباس میں وہ ایک دوسرا نظام قائم کروا رہا ہے۔ یہ نیا نظام اس وقت تک دنیا کے متعدد ملکوں کو ایک ایسے ظلمِ عظیم سے لبریز کر چکا ہے جس کی کوئی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ مگر اس کے فریب کا یہ زور ہے کہ بہت سے دوسرے ملک اسے ترقی کا حرفِ آخر سمجھ کر قبول کرنے کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔ ابھی اس فریب کا پردہ پوری طرح چاک نہیں ہوا ہے۔

تعلیم یافتہ مسلمانوں کی ذہنی غلامی کی انتہا

مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ان کے پاس خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت میں ایک دائمی و ابدی ہدایت موجود ہے جو انھیں شیطانی وساوس پر متنبّہ کرنے اور زندگی کے تمام معاملات میں ہدایت کی روشنی دکھانے کے لیے ابد تک کافی ہے، مگر یہ مساکین اپنے دین سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاہل اور استعمار کی تہذیبی و فکری تاخت سے بری طرح مغلوب ہیں۔ اس لیے ہر وہ نعرہ جو دنیا کی غالب قوموں کے کیمپ سے بلند ہوتا ہے، اس کی صدائے بازگشت فوراً ہی یہاں سے بلند ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ جس زمانے میں انقلاب فرانس کے اٹھائے ہوئے افکار کا زور تھا، مسلمان ملکوں میں ہر تعلیم یافتہ آدمی اپنا فرض سمجھتا تھا کہ انہی افکار کا موقع وبے موقع اظہار کرے اور انہی کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھالے۔ اس کے بغیر وہ سمجھتا تھا کہ اس کی کوئی عزت قائم نہ ہوگی اور وہ رجعت پسند سمجھ لیا جائے گا۔ یہ دور گذر گیا تو ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگوں کی سمت قبلہ بھی تبدیل ہونے لگی اور نیا دور آتے ہی اجتماعی عدل اور اشتراکیت کے نعرے بلند کرنے والے ہمارے درمیان پیدا ہونے لگے۔ یہاں تک بھی بات قابل صبر تھی۔ لیکن غضب یہ ہے کہ ایک گروہ ہمارے اندر ایسا بھی اٹھ رہا ہے جو اپنے قبلے کی ہر تبدیلی کے ساتھ چاہتا ہے کہ اسلام بھی اپنا قبلہ تبدیل کرے۔ گویا اسلام کے بغیر یہ بے چارے جی نہیں سکتے۔ اس کا ان کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ لیکن ان کی خواہش یہ ہے کہ جس کی پیروی کر کے یہ ترقی کرنا چاہتے ہیں اسی کی پیروی سے اسلام بھی مشرف ہو جائے اور "دین رجعی" ہونے کے الزام سے بچ جائے۔ اسی بنا پر پہلے کوشش کی جاتی تھی کہ حریت فرد اور فراخدلی اور سرمایہ داری اور بے دین جمہوریت (SECULAR DEMOCRACY) کے مغربی تصورات کو عین اسلامی ثابت کیا جائے اور اسی بنا پر اب یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ اسلام میں بھی اشتراکی تصور کی عدالتِ اجتماعیہ موجود ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر ہمارے تعلیم یافتہ لوگوں کی ذہنی غلامی اور ان کی جاہلیت کی طغیانی ذلت کی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔

عدالتِ اجتماعیہ کی حقیقت

اس مختصر مقالے میں یہ بتانا مقصود ہے کہ عدالتِ اجتماعیہ درحقیقت نام کس چیز کا ہے اور اس کے قیام کی صحیح صورت کیا ہے؟ اگرچہ اس امر کی امید بہت کم ہے کہ جو لوگ اشتراکیت کو عدالتِ اجتماعیہ کے قیام کی واحد صورت سمجھ کر اسے نافذ کرنے پر تلے ہوئے ہیں وہ اپنی غلطی مان لیں گے اور اس سے رجوع کر لیں گے، کیونکہ جاہل جب تک محض جاہل رہتا ہے اس کی اصلاح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بہت کچھ امکانات باقی رہتے ہیں۔ مگر جب وہ حاکم ہو جاتا ہے تو مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِي کا زعم اسے کسی سمجھانے والے کی بات سمجھنے کے قابل نہیں رہنے دیتا لیکن عامۃ الناس خدا کے فضل سے ہر وقت اس قابل رہتے ہیں کہ معقول طریقے سے بات سمجھا کر انہیں شیطان کے فریبوں پر متنبہ کیا جا سکے اور یہی عامۃ الناس ہیں جنہیں فریب دے کر گمراہ اور گمراہ کن لوگ اپنی ضلالتوں کو فروغ دیتے ہیں۔ اس لیے اس مقالے کی غرض در اصل عام لوگوں کے سامنے حقیقت کو کھول کر بیان کر دینا ہے (مولانا مودودی نے یہ مقالہ ۱۹۶۲ء میں حج کے موقع پر موتمر عالم اسلامی کے اجتماع منعقدہ مکہ معظمہ میں پڑھا تھا)

اسلام ہی عدالت اجتماعیہ ہے

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات جو سمجھانی مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ "اسلام میں بھی عدالت اجتماعیہ موجود ہے" کا نعرہ بلند کرتے ہیں وہ بالکل ایک غلط بات کہتے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اسلام ہی میں عدالتِ اجتماعیہ ہے۔ اسلام وہ دین حق ہے جو خالقِ کائنات اور رب کائنات نے انسان کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے اور انسانوں کے درمیان عدل کرنا اور یہ طے کرنا کہ ان کے لیے کیا چیز عدل ہے اور کیا عدل نہیں ہے۔ انسانوں کے خالق و رب ہی کا کام ہے۔ دوسرا کوئی نہ اس کا مجاز ہے کہ عدل و ظلم کا معیار تجویز کرے اور نہ دوسرے کسی میں یہ اہلیت پائی جاتی ہے کہ حقیقی عدل قائم کر سکے۔ انسان اپنا آپ مالک اور حاکم نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے معیارِ عدل خود تجویز کر لینے کا مجاز ہو۔ کائنات میں اس کی حیثیت خدا کے مملوک اور رعیّت کی ہے، اس لیے معیارِ عدل تجویز کرنا اس کا اپنا نہیں بلکہ اس کے مالک اور فرمانروا کا کام ہے۔ پھر انسان، خواہ کتنے ہی بلند مرتبے کا ہو اور خواہ ایک انسان نہیں بہت سے بلند مرتبہ انسان مل کر بھی اپنا ذہن استعمال کر لیں، بہر حال انسانی علم کی محدودیت اور عقل انسانی کی کوتاہی دنارسائی اور انسانی عقل پر خواہشات و تعصبات کی دستبرد سے کسی حال میں بھی مفر نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ انسان خود اپنے لیے کوئی ایسا نظام بنا سکے جو درحقیقت عدل پر مبنی ہو۔ انسان کے بنائے ہوئے نظام میں ابتداءً بظاہر کیسا ہی عدل نظر آئے، بہت جلدی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عملی تجربہ یہ ثابت کر دیتا ہے کہ فی الحقیقت اس میں عدل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ہر انسانی نظام کچھ مدّت تک چلنے کے بعد ناقص ثابت ہو جاتا ہے انسان اس سے بیزار ہو کر ایک دوسرے احمقانہ تجربے کی طرف پیش قدمی کرنے لگتا ہے۔ حقیقی عدل صرف اس نظام میں ہو سکتا ہے جو ایک عالم الغیب والشہادۃ اور سبّوح و قدّوس ہستی نے بنایا ہے۔

عدل ہی اسلام کا مقصود ہے

دوسری بات جو آغاز ہی میں سمجھ لینی ضروری وہ یہ ہے کہ جو شخص "اسلام میں عدل ہے" کہتا ہے وہ حقیقت سے کم تر بات کہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عدل ہی اسلام کا مقصود ہے اور اسلام آیا ہی اس لیے ہے کہ عدل قائم کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (الحدید:۲۵)

"ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ انسان انصاف پر قائم ہو۔ اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں سخت طاقت اور لوگوں کے لیے فوائد ہیں، تاکہ اللہ یہ معلوم کرے کہ کون بے دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ قوی اور زبردست ہے"

یہ دو باتیں ہیں جن سے اگر ایک مسلمان غافل نہ ہو تو وہ کبھی عدالت اجتماعیہ کی تلاش میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر کسی دوسرے ماخذ کی طرف توجہ کرنے کی غلطی نہیں کر سکتا جس لمحے اسے عدل کی ضرورت کا احساس ہوگا اسی لمحے اسے معلوم ہو جائے گا کہ عدل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی کے پاس نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور وہ یہ بھی جان لے گا کہ عدل قائم کرنے کے لیے اس کے سوا کچھ کرنا نہیں ہے کہ اسلام، پورے کا پورا بلاکم وکاست قائم کر دیا جائے۔ عدل، اسلام سے الگ کسی چیز کا نام نہیں ہے۔ اسلام خود عدل ہے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا قائم ہونا اور عدل کا قائم ہو جانا ایک ہی چیز ہے۔

عدل اجتماعی

اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ عدلِ اجتماعی درحقیقت ہے کس چیز کا نام اور اس کے قیام کی صحیح صورت کیا ہے۔

انسانی شخصیت کا نشو و نما

ہر انسانی معاشرہ ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں افراد سے مل کر بنتا ہے۔ اس مرکب کا ہر فرد ذی روح، ذی عقل اور ذی شعور ہے۔ ہر فرد اپنی ایک مستقل شخصیت رکھتا ہے۔ جسے پھلنے پھولنے اور نشو و نما پانے کے لیے مواقع درکار ہیں۔ ہر فرد کا اپنا ایک ذاتی ذوق ہے۔ اس کے اپنے نفس کی کچھ رغبات و خواہشات ہیں۔ اس کے اپنے جسم و روح کی کچھ ضروریات ہیں۔ ان افراد کی حیثیت کسی مشین کے بے روح پرزوں کی سی نہیں ہے کہ اصل چیز مشین ہو اور یہ پرزے اس مشین ہی کے لیے مطلوب ہوں اور بجائے خود پرزہ کی کوئی شخصیت نہ ہو۔ بلکہ اس کے برعکس انسانی معاشرہ جیتے جاگتے انسانوں کا ایک مجموعہ ہے۔ یہ افراد اس مجموعے کے لیے نہیں ہیں بلکہ مجموعہ ان افراد کے لیے ہے اور افراد جمع ہو کر یہ مجموعہ بناتے ہیں اور اس غرض کے لیے ہیں کہ ایک دوسرے کی مدد سے انھیں اپنی ضرورت حاصل کرنے اور اپنے نفس و جسم کے مطالبات اور تقاضے پورے کرنے کے مواقع ملیں۔

انفرادی جواب دہی

پھر یہ تمام افراد فرداً فرداً خدا کے سامنے جواب دہ ہیں۔ ہر ایک کو اس دنیا میں ایک خاص مدتِ امتحان (جو ہر فرد کے لیے الگ مقرر ہے) گزارنے کے بعد اپنے خدا کے حضور جا کر حساب دینا ہے کہ جو قوتیں اور صلاحیتیں اسے دنیا میں دی گئی تھیں ان سے کام لے کر اور جو ذرائع اسے عطا کیے گئے تھے ان پر کام کر کے وہ اپنی کیا شخصیت بنا کر لایا ہے۔ خدا کے سامنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان کی یہ جواب دہی اجتماعی نہیں بلکہ انفرادی ہے۔ وہاں کنبے اور قبیلے اور قومیں کھڑی ہو کر حساب نہیں دیں گی، بلکہ دنیا کے تمام رشتوں سے کاٹ کر اللہ تعالیٰ ہر ہر انسان کو الگ الگ اپنی عدالت میں حاضر کرے گا اور فرداً فرداً اس سے پوچھے گا کہ تو کیا کر کے آیا ہے اور کیا بن کر آیا ہے۔

انفرادی آزادی

یہ دونوں امور۔ یعنی دنیا میں انسانی شخصیت کا نشو و نما اور آخرت میں انسان کی جوابدہی۔ اسی بات کے طالب ہیں کہ دنیا میں فرد کو حریت حاصل ہو۔ اگر کسی معاشرے میں فرد کو اپنی پسند کے مطابق اپنی شخصیت کی تکمیل کے مواقع حاصل نہ ہوں تو اس کے اندر انسانیت ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے اس کا دم گھٹنے لگتا ہے، اس کی قوتیں اور قابلیتیں دب کر رہ جاتی ہیں اور اپنے آپ کو محصور و محبوس پا کر انسان جمود و تعطل کا شکار ہو جاتا ہے۔ پھر آخرت میں ان محبوس و محصور افراد کے قصوروں کی بیش تر ذمہ داریاں ان لوگوں کی طرف منتقل ہو جانے والی ہیں جو اس قسم کے اجتماعی نظام کو بنانے اور چلانے کی ذمہ دار ہوں۔ ان سے صرف ان کے اپنے انفرادی اعمال ہی کا محاسبہ نہ ہوگا بلکہ اس بات کا محاسبہ بھی ہوگا کہ انھوں نے ایک جابرانہ نظام قائم کر کے دوسرے بے شمار انسانوں کو ان کی مرضی کے خلاف اور اپنی مرضی کے مطابق ناقص شخصیتیں بننے پر مجبور کیا۔ ظاہر ہے کہ کوئی آخرت پر ایمان رکھنے والا انسان یہ بھاری بوجھ اٹھا کر خدا کے سامنے جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ وہ اگر خدا سے ڈرنے والا انسان ہے تو لازماً وہ افراد کو زیادہ سے زیادہ آزادی دینے کی طرف مائل ہوگا تاکہ ہر فرد جو کچھ بھی بنے اپنی ذمہ داری پر بنے، اس کے غلط شخصیت بننے کی ذمہ داری اجتماعی نظام چلانے والے پر عائد نہ ہو جائے۔

اجتماعی ادارے اور ان کا اقتدار

یہ معاملہ تو ہے انفرادی آزادی کا۔ دوسری طرف معاشرے کو دیکھئے جو کنبوں، قبیلوں قوموں اور پوری انسانیت کی شکل میں علی الترتیب قائم ہوتا ہے۔ اس کی ابتدا ایک مرد اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک عورت اور ان کی اولاد سے ہوتی ہے۔ جس سے خاندان بنتا ہے ۔ ان خاندانوں سے قبیلے اور برادریاں بنتی ہیں ، ان سے ایک قوم وجود میں آتی ہے اور قوم اپنے اجتماعی اداروں کی تنفید کے لیے ایک ریاست کا نظام بناتی ہے ۔ ان مختلف شکلوں میں یہ اجتماعی ادارے اصلاً جس غرض کے لیے مطلوب ہیں وہ یہ ہے کہ ان کی حفاظت اور ان کی مدد سے فرد کو اپنی شخصیت کی تکمیل کے وہ مواقع نصیب ہوسکیں جو وہ تنہا اپنے بل بوتے پر حاصل نہیں کرسکتا۔ لیکن اس بنیادی مقصد کا حصول اس کے بغیر نہیں ہوسکتا کہ ان میں سے ہر ایک ادارے کو افراد پر اور بڑے ادارے کو چھوٹے اداروں پر اقتدار حاصل ہو تاکہ وہ افراد کی ایسی آزادی کو روک سکیں جو دوسروں پر دست درازی کی حد تک پہنچتی ہو۔ اور افراد سے وہ خدمت لے سکیں جو بحیثیت مجموعی تمام افراد معاشرہ کی فلاح و ترقی کے لیے مطلوب ہو۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر عدالت اجتماعیہ کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے اور انفرادیت و اجتماعیت کے متضاد تقاضے ایک گتھی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں ۔ ایک طرف انسانی فلاح اس بات کی مقتضی ہے کہ فرد کو معاشرے میں آزادی حاصل ہو تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں اور اپنی پسند کے مطابق اپنی شخصیت کی تکمیل کرسکے اور اسی طرح خاندان ، قبیلے ، برادریاں اور مختلف گروہ بھی اپنے سے بڑے دائرے کے اندر اُس آزادی سے متمتع ہوں جو اُن کے اپنے دائرہ عمل میں انھیں حاصل ہونی ہے ۔ مگر دوسری طرف انسانی فلاح اس بات کا بھی تقاضا کرتی ہے کہ افراد پر خاندان کا ، خاندانوں پر قبیلوں اور برادریوں کا ، اور تمام افراد اور چھوٹے اداروں پر ریاست کا اقتدار ہو، تاکہ کوئی اپنی حد سے تجاوز کر کے دوسروں پر ظلم و تعدی نہ کرسکے ۔ پھر یہی مسئلہ آگے چل کر پوری انسانیت کے لیے بھی پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف ہر قوم اور ریاست کی آزادی و خود مختاری کا برقرار رہنا بھی ضروری ہے ۔ اور دوسری طرف کسی بالاتر ضابطہ قوت کا ہونا بھی ضروری ہے کہ یہ قومیں اور ریاستیں حد سے تجاوز نہ کرسکیں ۔

اب عدالتِ اجتماعیہ درحقیقت جس چیز کا نام ہے وہ یہ ہے کہ افراد ، خاندانوں ، قبیلوں ، برادریوں اور قوموں میں سے ہر ایک کو مناسب آزادی بھی حاصل ہو اور اس کے ساتھ ظلم و زیادتی کو روکنے کے لیے مختلف اجتماعی اداروں کو افراد پر اور ایک دوسرے پر اقتدار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی حاصل رہے اور مختلف افراد و مجتمعات سے وہ خدمت بھی لی جا سکے جو اجتماعی فلاح کے لیے درکار ہے۔

سرمایہ داری اور اشتراکیت کی خامیاں

اس حقیقت کو جو شخص اچھی طرح سمجھ لے گا وہ پہلی ہی نظر میں یہ جان لے گا کہ جس طرح حرّیتِ فرد، فراخ دلی سرمایہ داری اور بے دین جمہوریت کا وہ نظام اجتماعی عدل کے منافی تھا جو انقلابِ فرانس کے نتیجے میں قائم ہوا تھا۔ ٹھیک اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ وہ اشتراکیت بھی اس کے قطعی منافی ہے جو کارل مارکس اور اینجلز کے نظریات کی پیروی میں اختیار کی جا رہی ہے۔ پہلے نظام کا قصور یہ تھا کہ اس نے فرد کو حدّ مناسب سے زیادہ آزادی دے کر خاندان، قبیلے، برادری، معاشرے اور قوم پر تعدی کرنے کی کھلی چھوٹ دے دی اور اس سے اجتماعی فلاح کی خدمت لینے کے لیے معاشرے کی قوّتِ ضابطہ کو بہت ڈھیلا کر دیا اور اس دوسرے نظام کا قصور یہ ہے کہ یہ ریاست کو حد سے زیادہ طاقتور بنا کر افراد، خاندان، قبیلوں اور برادریوں کی آزادی قریب قریب بالکل سلب کر لیتا ہے اور افراد سے معاشرے کی خدمت لینے کے لیے ریاست کو اتنا زیادہ اقتدار دے دیتا ہے کہ افراد ذی روح انسانوں کے بجائے ایک مشین کے بے روح پرزوں کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں بالکل جھوٹ کہتا ہے جو کہتا ہے کہ اس طریقے سے عدالتِ اجتماعیہ قائم ہو سکتی ہے۔

اشتراکیت ظلم اجتماعی کی بدترین شکل ہے

درحقیقت یہ ظلم اجتماعی کی وہ بدترین صورت ہے جو کبھی کسی نمرود کسی فرعون اور کسی چنگیز خان کے دور میں بھی نہ رہی تھی۔ آخر اس چیز کو کون صاحبِ عقل اجتماعی عدل سے تعبیر کر سکتا ہے کہ ایک شخص یا چند اشخاص بیٹھ کر اپنا ایک اجتماعی فلسفہ تصنیف کر لیں۔ پھر حکومت پر زبردستی قبضہ کر کے اور اس کے غیر محدود اختیارات سے کام لے کر اس فلسفے کو ایک پورے ملک کے رہنے والے کروڑوں افراد پر زبردستی مسلط کر دیں۔ لوگوں کے اموال ضبط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کریں۔ زمینوں پر قبضہ کریں، کارخانوں کو قومی ملکیت بنائیں اور پورے ملک کو ایک ایسے جیل خانے میں تبدیل کر دیں جس میں تنقید، فریاد، شکایت، استغاثے اور عدالتی انصاف کا ہر دروازہ لوگوں کے لیے بند ہو۔ ملک کے اندر کوئی جماعت نہ ہو، کوئی تنظیم نہ ہو۔ کوئی پلیٹ فارم نہ ہو جس پر لوگ زبان کھول سکیں۔ کوئی پریس نہ ہو جس میں لوگ اظہار خیال کر سکیں اور کوئی عدالت نہ ہو جس کا دروازہ انصاف کے لیے کھٹکا سکیں۔ جاسوسی کا نظام اتنے بڑے پیمانے پر پھیلا دیا جائے کہ ہر ایک آدمی دوسرے آدمی سے ڈرنے لگے کہ کہیں یہ جاسوس نہ ہو، حتیٰ کہ اپنے گھر میں بھی ایک آدمی زبان کھولتے ہوئے پہلے چاروں طرف دیکھ لے کہ کوئی کان اس کی بات سننے اور کوئی زبان اسے حکومت تک پہنچانے کے لیے کہیں پاس ہی موجود نہ ہو۔ پھر جمہوریت کا فریب دینے کے لیے انتخابات کرائے جائیں، مگر پوری کوشش کی جائے کہ اس فلسفے کی تصنیف کرنے والوں سے اختلاف رکھنے والا کوئی شخص ان انتخابات میں حصّہ نہ لے سکے اور نہ کوئی ایسا شخص ان میں دخیل ہو سکے جو خود اپنی کوئی رائے بھی رکھتا ہو اور اپنا ضمیر فروخت کرنے والا بھی نہ ہو۔

بالفرض اس طریقے سے اگر معاشی دولت کی مساوی تقسیم ہو بھی سکے — درآنحالیکہ آج تک کوئی اشتراکی نظام ایسا نہیں کر سکا ہے — تب بھی کیا عدل محض معاشی مساوات کا نام ہے؟ میں یہ سوال نہیں کرتا کہ اس نظام کے حاکموں اور محکوموں کے درمیان بھی معاشی مساوات ہے یا نہیں؟ میں یہ نہیں پوچھتا کہ اس نظام کا ڈکٹیٹر اور اس کے اندر رہنے والا ایک کسان کیا اپنے معیارِ زندگی میں مساوی ہیں؟ میں صرف یہ پوچھتا ہوں کہ اگر ان سب کے درمیان واقعی پوری معاشی مساوات قائم بھی ہو جائے تو کیا اس کا نام اجتماعی عدل ہوگا؟ کیا عدل یہی ہے کہ ڈکٹیٹر اور اس کے ساتھیوں نے جو فلسفہ گھڑا ہے اس کو تو وہ پولیس اور فوج اور جاسوسی نظام کی طاقت سے بالجبر ساری قوم پر مسلط کر دینے میں بھی آزاد ہو مگر قوم کا کوئی فرد اس کے فلسفے پر، یا اس کی تنقید کیلیے کسی چھوٹے سے چھوٹے جزوی عمل پر محض زبان سے ایک لفظ نکالنے تک میں آزاد نہ ہو؟ کیا یہ عدل ہے کہ ڈکٹیٹر اور اس کے چند مٹھی بھر حامی اپنے فلسفے کی ترویج کے لیے تمام ملک کے ذرائع و وسائل استعمال کرنے اور ہر قسم کی تنظیمات بنانے کے حق دار ہوں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر ان سے مختلف رائے رکھنے والے دو آدمی بھی مل کر کوئی تنظیم نہ کر سکیں، کسی مجمع کو خطاب نہ کر سکیں اور کسی پریس میں ایک لفظ بھی شائع نہ کرا سکیں؟ کیا یہ عدل ہے کہ تمام زمینداروں اور کارخانہ داروں کو بے دخل کر کے پورے ملک میں صرف ایک ہی زمیندار اور کارخانہ دار رہ جائے جس کا نام حکومت ہو اور وہ حکومت چند گنے چنے آدمیوں کے ہاتھ میں ہو اور وہ آدمی ایسی تمام تدابیر اختیار کر لیں جن سے پوری قوم بالکل بے بس ہو جائے اور حکومت کے اختیارات کا ان کے ہاتھ سے نکل کر دوسرے کے ہاتھوں میں چلا جانا قطعی ناممکن ہو جائے، انسان اگر محض پیٹ کا نام نہیں ہے اور انسانی زندگی اگر صرف معاش تک محدود نہیں ہے، تو محض معاشی مساوات کو عدل کیسے کہا جا سکتا ہے؟ زندگی کے ہر شعبے میں ظلم و جور قائم کر کے اور انسانیت کے ہر رخ کو دبا کر صرف معاشی دولت کی تقسیم میں لوگوں کو برابر بھی کر دیا جائے اور خود ڈکٹیٹر اور اس کے ساتھی بھی اپنے معیارِ زندگی میں لوگوں کے برابر ہو کر رہیں، تب بھی اس ظلم عظیم کے ذریعہ سے یہ مساوات قائم کرنا اجتماعی عدل قرار نہیں پا سکتا۔ بلکہ یہ، جیسا کہ ابھی میں آپ سے عرض کر چکا ہوں، وہ بدترین اجتماعی ظلم ہے جس سے تاریخِ انسانی کبھی اس سے پہلے آشنا نہ ہوئی تھی۔

عدل اسلام

اب میں اختصار کے ساتھ آپ کو بتاؤں گا کہ اسلام میں جس چیز کا نام عدل ہے وہ کیا ہے اسلام میں اس امر کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی شخص، انسانوں کا کوئی گروہ انسانی زندگی میں عدل کا کوئی فلسفہ اور اس کے قیام کا کوئی طریقہ بیٹھ کر خود گھڑ لے اور اسے بالجبر لوگوں پر مسلط کر دے اور کسی بولنے والی زبان کو حرکت نہ کرنے دے۔ یہ مقام ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کو تو کیا۔ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل نہ تھا۔ اسلام میں کسی ڈکٹیٹر کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ صرف خدا ہی کا یہ مقام ہے کہ انسان اس کے حکم کے آگے بے چون و چرا سر جھکا دیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس کے حکم کے تابع تھے اور ان کے حکم کی اطاعت صرف اس لیے فرض تھی کہ وہ خدا کی طرف سے حکم دیتے تھے نہ کہ معاذ اللہ اپنے نفس سے گھڑ کر کوئی فلسفہ لے آتے تھے۔ رسول اور خلفائے رسول کے نظامِ حکومت میں صرف شریعت الٰہیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تنقید سے بالاتر تھی۔ اس کے بعد ہر شخص کو ہر وقت ہر معاملے میں زبان کھولنے کا پورا حق حاصل تھا۔

آزادیٔ فرد کے حدود

اسلام میں اللہ تعالیٰ نے خود وہ حدود قائم کر دیے ہیں جن پر افراد کی آزادی کو محدود ہونا چاہیے۔ اس نے خود متعین کر دیا ہے کہ ایک فردِ مسلم کے لیے کون کون سے افعال حرام ہیں جن سے اس کو بچنا چاہیے اور کیا کچھ اس پر فرض ہے جسے اس کو ادا کرنا چاہیے۔ کیا حقوق اس کے دوسروں پر ہیں اور کیا حقوق دوسروں کے اس پر ہیں۔ کن ذرائع سے ایک مال کی ملکیت کا اس کی طرف منتقل ہونا جائز ہے اور کون سے ذرائع ایسے ہیں جن سے حاصل ہونے والے مال کی ملکیت جائز نہیں ہے۔ افراد کی بھلائی کے لیے معاشرے پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں اور معاشرے کی بھلائی کے لیے افراد پر، خاندانوں اور برادریوں پر اور پوری قوم پر کیا پابندیاں عائد کی جا سکتی ہیں اور کیا خدمات لازم کی جا سکتی ہیں۔ یہ تمام امور کتاب و سنت کے اس مستقل دستور میں ثبت ہیں جس پر کوئی نظرِ ثانی کرنے والا نہیں ہے اور جس میں کسی کو کمی و بیشی کر دینے کا حق نہیں ہے۔ اس دستور کی رو سے ایک شخص کو انفرادی آزادیوں پر جو پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں ان سے تجاوز کرنے کا تو وہ حق نہیں رکھتا، لیکن ان حدود کے اندر جو آزادی اس کو حاصل ہے اسے سلب کر لینے کا بھی کسی کو حق نہیں ہے۔ کسبِ اموال کے جن ذرائع اور صرفِ مال کے جن طریقوں کو حرام کر دیا گیا ہے ان کے وہ قریب نہیں پھٹک سکتا اور پھٹکے تو اسلامی قانون اسے مستوجبِ سزا سمجھتا ہے، لیکن جو ذرائع حلال ٹھہرائے گئے ہیں ان سے حاصل ہونے والی ملکیت پر اس کے حقوق بالکل محفوظ ہیں اور اس میں تصرف کے جو طریقے جائز کیے گئے ہیں ان سے کوئی اس کو محروم نہیں کر سکتا۔ اسی طرح معاشرے کی فلاح کے لیے جو فرائض افراد پر عائد کر دیے گئے ہیں ان کے ادا کرنے پر تو وہ مجبور ہے۔ لیکن اس سے زائد کوئی بار جبراً اس پر عائد نہیں کیا جا سکتا۔ الّا یہ کہ وہ خود رضا کارانہ ایسا کرے اور یہی حال معاشرے اور ریاست کا بھی ہے کہ افراد کے جو حقوق اس پر عائد کیے گئے ہیں انھیں ادا کرنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس پر اتنا ہی لازم ہے جتنا افراد سے اپنے حقوق وصول کرنے کے اسے اختیارات ہیں، اس مستقل دستور کو اگر عملاً نافذ کر دیا جائے تو ایسا مکمل عدلِ اجتماعی قائم ہوتا ہے جس کے بعد کوئی شئے مطلوب باقی نہیں رہ جاتی۔ یہ دستور جب تک موجود ہے اس وقت تک کوئی شخص خواہ کتنی ہی کوشش کرے، مسلمانوں کو ہرگز اس دھوکے میں نہیں ڈال سکتا کہ جو اشتراکیت اس نے کسی جگہ سے مستعار لی ہے وہی عین اسلام ہے یا وہ اسلامی سوشلزم ہے۔

اسلام کے اس دستور میں فرد اور معاشرے کے درمیان ایسا توازن قائم کیا گیا ہے کہ نہ فرد کو وہ آزادی دی گئی ہے جس سے وہ معاشرے کے مفاد کو نقصان پہنچا سکے اور نہ معاشرے کو یہ اختیارات دیے گئے ہیں کہ وہ فرد سے اس کی وہ آزادی سلب کر سکے جو اس کی شخصیت کے نشوونما کے لیے ضروری ہے۔

انتقال دولت کے شرائط

اسلام ایک فرد کی طرف دولت کے انتقال کی صرف تین صورتیں معیّن کر دیتا ہے۔ وراثت، ہبہ، کسب۔ وراثت صرف وہ معتبر ہے جو کسی مال کے جائز مالک سے اس کے وارث کو شرعی قاعدے کے مطابق پہنچے۔ ہبہ یا عطیّہ صرف وہ معتبر ہے جو کسی مِلک کے جائز مالک نے شرعی حدود کے اندر دیا ہو۔ اور اگر یہ عطیّہ کسی حکومت کی طرف سے ہو تو وہ اس صورت میں جائز ہے جب کہ وہ کسی صحیح خدمت کے صلے میں معاشرے کے مفاد کے لیے املاکِ حکومت میں سے معروف طریقے پر دیا گیا ہو۔ نیز اس طرح عطیّہ دینے کی حقدار بھی وہ حکومت ہے جو شرعی دستور کے مطابق شوریٰ کے طریقے پر چلائی جا رہی ہو اور جس سے محاسبہ کرنے کی قوم کو آزادی حاصل ہو۔ رہا کسب تو اسلام میں صرف وہ کسب جائز ہے جو کسی حرام طریقے سے نہ ہو۔ سرقہ، غصب، ناپ تول میں کمی بیشی، خیانت، رشوت، غبن، قحبہ گری، احتکار (قیمتیں چڑھانے کے لیے ضروریاتِ زندگی کو روک رکھنا)، سود، جوا، دھوکے کا سودا، منکرات کی صنعت و تجارت اور اشاعتِ فاحشہ کرنے والے کاروبار کے ذریعہ سے کسب اسلام میں حرام ہے۔ ان حدود کی پابندی کرتے ہوئے جو دولت بھی کسی کو ملے وہ اس کی جائز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملک ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ کم ہو یا زیادہ ۔ ایسی ملکیت کے لیے نہ کمی کی کوئی حد مقرّر کی جا سکتی ہے نہ زیادتی کی ۔ نہ اس کا کم ہونا اس بات کو جائز کر دیتا ہے کہ دوسروں سے چھین کر اس میں اضافہ کیا جائے اور نہ اس کا زیادہ ہونا اس امر کے لیے کوئی دلیل ہے کہ اسے زبردستی کم کیا جائے ۔ البتہ جو دولت ان جائز حدود سے تجاوز کر کے حاصل ہوئی ہو اس کے بارے میں یہ سوال اٹھانے کا مسلمانوں کو حق پہنچتا ہے کہ مِنْ اَیْنَ لَکَ ھٰذَا (یہ تجھے کہاں سے ملا؟) اس دولت کے بارے میں پہلے قانونی تحقیق ہونی چاہیے، پھر اگر ثابت ہو جائے کہ وہ جائز ذرائع سے حاصل نہیں ہوئی ہے تو اسے ضبط کرنے کا اسلامی حکومت کو پورا حق پہنچتا ہے ۔

تصرّفِ دولت پر پابندیاں

جائز طریقے پر حاصل ہونے والی دولت پر تصرّف کے بارے میں بھی فرد کو بالکل کھلی چھٹی نہیں دے دی گئی ہے بلکہ اس پر کچھ قانونی پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں تاکہ کوئی فرد اپنی ملکیت میں کسی ایسے طریقے پر تصرّف نہ کر سکے جو معاشرے کے لیے نقصان دہ ہو، یا جس میں خود اُس فرد کے دین و اخلاق کا نقصان ہو ۔ اسلام میں کوئی شخص اپنی دولت کو فسق و فجور میں صرف نہیں کر سکتا ۔ شراب نوشی اور قمار بازی کا دروازہ اس کے لیے بند ہے ۔ زنا کا دروازہ بھی اس کے لیے بند ہے ۔ وہ آزاد انسانوں کو پکڑ کر انھیں لونڈی غلام بنانے اور ان کی بیع و شرٰی کرنے کا بھی کسی کو حق نہیں دیتا کہ دولت مند لوگ اپنے گھروں کو خریدی ہوئی لونڈیوں سے بھر لیں ۔ اسراف اور حد سے زیادہ عیش و عشرت پر بھی وہ حدود عائد کرتا ہے اور وہ اسے بھی جائز نہیں رکھتا کہ تم خود عیش کرو اور تمہارا ہمسایہ رات کو بھوکا سوئے ۔ اسلام صرف مشروع اور معروف طریقے پر ہی دولت سے مستمتع ہونے کا آدمی کو حق دیتا ہے اور اگر ضرورت سے زائد دولت کو مزید دولت کمانے کے لیے کوئی شخص استعمال کرنا چاہے تو وہ کسبِ مال کے صرف حلال طریقے ہی اختیار کر سکتا ہے، اُن حدود سے تجاوز نہیں کر سکتا جو شریعت نے کسب پر عائد کر دی ہیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشرتی خدمت

پھر اسلام معاشرے کی خدمت کے لیے ہر اس فرد پر جس کے پاس نصاب سے زائد مال جمع ہو زکوٰۃ عائد کرتا ہے۔ نیز وہ اموالِ تجارت پر زمین کی پیداوار پر، مواشی پر، اور بعض دوسرے اموال پر بھی ایک خاص شرح سے زکوٰۃ مقرر کرتا ہے۔ آپ دنیا کے کسی ملک کو لے لیجیے اور حساب لگا کر دیکھ لیجیے کہ اگر شرعی طریقے کے مطابق وہاں باقاعدہ زکوٰۃ وصول کی جائے اور اسے قرآن کے مقرر کیے ہوئے مصارف میں باقاعدہ تقسیم کیا جائے تو کیا چند سال کے اندر وہاں ایک شخص بھی حاجاتِ زندگی سے محروم رہ سکتا ہے؟

اس کے بعد جو دولت کسی ایک فرد کے پاس مرتکز ہو گئی ہو، اسلام اس کے مرتے ہی اس دولت کو وراثت میں تقسیم کر دیتا ہے تاکہ یہ ارتکاز ایک دائمی اور مستقل ارتکاز بن کر نہ رہ جائے۔

استیصالِ ظلم

اس کے علاوہ اسلام اگرچہ اس کو پسند کرتا ہے کہ مالکِ زمین اور مزارع، یا کارخانہ دار اور مزدور کے درمیان خود باہمی رضامندی سے معروف طریقے پر معاملات طے ہوں، اور قانون کی مداخلت کی ضرورت پیش نہ آئے۔ لیکن جہاں کہیں ان معاملات میں ظلم ہو رہا ہو وہاں اسلامی حکومت مداخلت کرنے کا پورا حق رکھتی ہے اور قانون کے ذریعہ سے انصاف کے حدود قائم کر سکتی ہے۔

مصالحِ عامّہ کے لیے قومی ملکیّت کے حدود

اسلام اس امر کو حرام نہیں کرتا کہ کسی صنعت یا کسی تجارت کو حکومت اپنے انتظام میں چلائے۔ اگر کوئی صنعت یا تجارت ایسی ہو جس کی اجتماعی مصالح کے لیے ضرورت تو ہو مگر افراد اس کو چلانے کے لیے تیار نہ ہوں، یا افراد کے انتظام میں اس کا چلنا اجتماعی مفاد کے خلاف ہو تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسے حکومت کے انتظام میں چلایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی صنعت یا تجارت کچھ افراد کے ہاتھوں میں ایسے طریقوں سے چل رہی ہو جو اجتماعی مفاد کے لیے نقصان دہ ہوں تو حکومت ان افراد کو معاوضہ دے کر وہ کاروبار اپنے ہاتھ میں لے سکتی ہے اور کسی دوسرے مناسب طریقے سے اس کے چلانے کا انتظام کر سکتی ہے۔ ان تدابیر کے اختیار کرنے میں کوئی مانع شرعی نہیں ہے لیکن اسلام اس بات کو ایک اصول کی حیثیت سے قبول نہیں کرتا کہ دولت کی پیداوار کے تمام ذرائع حکومت کی ملک میں ہوں اور حکومت ہی ملک کی واحد صناع و تاجر اور مالک آراضی ہو۔

بیت المال میں تصرّف کے شرائط

بیت المال کے بارے میں اسلام کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ وہ اللہ اور مسلمانوں کا مال ہے اور کسی شخص کو اس پر مالکانہ تصرّف کا حق نہیں ہے۔ مسلمانوں کے تمام امور کی طرح بیت المال کا انتظام بھی قوم یا اس کے آزاد نمائندوں کے مشورے سے ہونا چاہیے۔ جس شخص سے بھی کچھ لیا جائے اور جس مصرف میں بھی مال صرف کیا جائے وہ جائز شرعی طریقے پر ہونا چاہیے اور مسلمانوں کو اس پر محاسبے کا پورا حق ہے۔

ایک سوال

اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے میں ہر سوچنے والے انسان سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اگر عدالت اجتماعیہ صرف معاشی عدل ہی کا نام ہے تو کیا یہ معاشی عدل جو اسلام قائم کرتا ہے۔ ہمارے لیے کافی نہیں ہے؟ کیا اس کے بعد کوئی ضرورت ایسی باقی رہ جاتی ہے جس کی خاطر تمام افراد کی آزادیاں سلب کرنا، لوگوں کے اموال ضبط کرنا اور ایک پوری قوم کو چند آدمیوں کا غلام بنا دینا ہی ناگزیر ہو؟ آخر اس امر میں کیا چیز مانع ہے کہ ہم مسلمان اپنے ملکوں میں اسلامی دستور کے مطابق خالص شرعی حکومتیں قائم کریں اور ان میں خدا کی پوری شریعت کو بلا کم و کاست نافذ کریں۔ جس روز بھی ہم ایسا کریں گے، صرف یہی نہیں کہ ہمیں اشتراکیت سے کسبِ فیض کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورت باقی نہ رہے گی، بلکہ خود اشتراکیت زدہ ممالک کے لوگ ہمارے نظامِ زندگی کو دیکھ کر یہ محسوس کرنے لگیں گے کہ جس روشنی کے بغیر وہ تاریکی میں بھٹک رہے تھے وہ ان کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔

مختلف اقتصادی پروگرام ٹھوس حقائق کی روشنی میں

مختلف سیاسی جماعتوں نے اپنے اپنے منشور میں اقتصادی پروگرام پیش کئے ہیں اور بھٹو مرحوم کی پیپلز پارٹی نے اسلامی سوشلزم کے نام سے ایسا ہی پروگرام شائع کیا ہے جس میں زیادہ سے زیادہ کاروباری اداروں ملوں اور کارخانوں کو حکومت کی تحویل میں لے لینا معاشی مسائل کا حل قرار دیا گیا ہے۔

• ۔ اگر قومی مفاد کا تقاضہ ہو تو کوئی خاص شعبہ ادارہ یا کارخانہ سرکاری ملکیت میں لے لینا قابلِ اعتراض نہیں۔ مگر جن ہاتھوں میں پہلے ہی فوج اور پولیس کی طاقت ہو ان ہاتھوں میں زیادہ سے زیادہ معاش کی کنجیاں دے دینا ان کی طاقت اور اس طرح ان کے جبر میں بے پناہ اضافہ تو کر سکتا ہے مگر اس کا کوئی امکان نہیں کہ عوام کو کوئی سہولت مہیا ہو۔ اگر محض نیشنلائزیشن ہی عوام کے مسائل کا حل ہوتی تو پھر حکومت کے تحت پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف سے لے کر ریلوے تک جتنے ادارے کام کرتے ہیں ان کے ملازمین کو توخوش حال ہونا چاہیے تھا، لیکن سب جانتے ہیں کہ معاملہ اس کے برعکس ہے بلکہ بعض صورتوں میں پرائیویٹ کمپنیوں اور اداروں کے ملازمین کو جو سہولتیں حاصل ہیں سرکاری اور نیم سرکاری ملازمین ان سے بھی محروم ہیں۔ معلوم ہوا کہ محض سرکاری ملکیت میں لے لینا کوئی حل نہیں ہے۔

• ۔ مزید یہ کہ سرکاری اداروں میں آزادانہ رائے کے اظہار کی بھی اجازت نہیں ہوتی اور یہ حضرات اپنے اقتصادی پروگراموں کے ذریعے سے چاہتے ہیں کہ عوام کو زیادہ سے زیادہ حکومت کی تحویل میں دے دیا جائے۔ کیا یہ انھیں آزادیٔ رائے کی نعمت سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دینا نہیں ہے۔ ایک طرف یہ شور و شغب کہ حکومت نے بہت زیادہ اختیارات حاصل کر لیے ہیں، تحریر و تقریر کی آزادی نہیں ہے۔ اخبارات پر پریس ٹرسٹ کے ذریعے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قبضہ کر لیا گیا ہے صحافیوں کی کوئی آزادانہ رائے نہیں رہی اور دوسری طرف زیادہ سے زیادہ عوام کو حکومت کی ملازمت میں پھنسلنے کے یہ معاشی پروگرام ۔ سیدھی سی بات ہے کہ جس کی معاش آزاد نہ ہو وہ کبھی آزاد رائے نہیں رکھ سکتا ۔ اگر رکھتا بھی ہو تو اس کا آزادانہ اظہار نہیں کر سکتا ۔

• ۔ عوام کی فلاح وبہبود کے لیے ضروری ہے کہ ایسا اقتصادی نظام پیش کیا جائے جس میں عوام کو معاشی خوشحالی بھی نصیب ہو اور وہ زیادہ سے زیادہ آزادی رائے کی نعمت سے بہرہ ور بھی ہوں ۔ ایسا اقتصادی نظام صرف اسلام رکھتا ہے ۔ لہذا پیدائش دولت اور تقسیم دولت اسلامی اصولوں کے مطابق ہونی چاہیے ۔ حلال وحرام کی اسلامی حدود کو اقتصادی پروگرام کی بنیاد بنایا جائے ۔ معاشرے میں اسلامی قدریں بحال کی جائیں ۔ تعمیر سیرت ہو ۔ خدا کا خوف پیدا کیا جائے اور انتخاب کا معیار نمائندوں کی خدا خوفی ۔ خدا ترسی اور احساس ذمہ داری ہو ۔

اس کے لیے درج ذیل تجاویز پر عمل کرنا ضروری ہے :

۱ ۔ ناجائز ذرائع سے کمائی ہوئی تمام جائیداد خواہ زمین ، نقدی ، مکان یا کاروباری ادارے کی صورت میں ہو بحق سرکار ضبط کر لی جائے ۔

۲ ۔ سودی کاروبار ، سٹے بازی ، ریس ، جوا ، شراب اور اس نوع کے دوسرے ناجائز کاروبار حکماً ممنوع قرار دیے جائیں ۔ (اسلامی سوشلزم کا نعرہ لگانے والے حضرات نے اسلامی کا اضافہ کر کے " سوشلزم " اور اس کے جڑواں بھائی " کمیونزم " کو مشرف بہ اسلام کرنے کی سعادت تو حاصل کر لی ۔ لیکن اپنے اقتصادی پروگراموں میں یہ ذکر کہیں نہیں فرمایا ہے کہ حرام کے یہ دروازے بند کیے جائیں گے اور حلال کے معاشی ذرائع عام کیے جائیں گے ۔

۳ ۔ تمام بڑی بڑی فیکٹریاں یہ کارخانے اور تجارتی ادارے امداد باہمی کی بنیاد پر قائم کیے جائیں ۔

۴ ۔ مزدوروں کو ملوں اور کارخانوں میں بطور حصہ دار شریک کیا جائے ۔

۵ ۔ جتنی بھی سرکاری بے آباد زمینیں پڑی ہیں ان کو گذارہ یونٹ کے حساب سے غیر مالک کاشتکار اور چھوٹے چھوٹے کاشتکاروں میں آسان اقساط پر فروخت کیا جائے ۔

۶ ۔ زکوٰۃ اور عشر کی وصولی اور حلت کا بہتر و منصفانہ انتظام کیا جائے جو حسب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شریعت اسلامیہ ہو تاکہ غریب اور محتاج لوگوں کی مستقل امداد ہو سکے نہ یہ کہ خود زکوٰۃ وعشر جمع کرنے والے جعلی فہرستیں تقسیم زکوٰۃ وعشر کی بنا کر رقم اپنے ذاتی تصرف میں لے آئیں یا غیر مستحق اور اپنے خویش واقارب میں زکوٰۃ وعشر کا مال تقسیم کرتے رہیں۔

۷۔ اسلامی قانونِ وراثت کا نفاذ اور اس پر عمل درآمد کی صحیح صورت ہو۔

۸۔ بڑے اور چھوٹے سرکاری ملازمین کی تنخواہوں کے درمیان موجودہ فرق کم سے کم کیا جائے اور ایسا منصفانہ معیار مقرر کیا جائے جس سے چھوٹے ملازمین کو بنیادی ضروریات زندگی بآسانی حاصل ہو سکیں۔

اسلامی حکومت اور فرض ناشناس ملازمین

ایک اہم سوال یہ ہے کہ موجودہ ملازمین کی ایک بڑی تعداد میں بلندیٔ سیرت اور فرض شناسی کا جذبہ ہی کم ہے، ایک اسلامی حکومت ان سے کیوں کر کام لے گی؟

جواباً عرض ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حکومت کے ملازمین اور قوم کے بعض دوسرے افراد کی اخلاقی حالت نے پوری قومی زندگی کو بالکل کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ ایک بڑا نازک اور پیچیدہ مسئلہ ہے مختصر یہ ہے کہ سب سے پہلے تو اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اخلاقی جرائم لازمی طور پر خدا سے بے خوفی اور آخرت سے بے فکری کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ یہ تو خرابی کا بنیادی سبب ہے لیکن اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اسباب ہیں جو ہماری معاشرتی زندگی میں پائے جاتے ہیں اور جن کی وجہ سے یہ خرابیاں چاروں طرف پھیل رہی ہیں مثلاً ہمارے معاشرے کے اوپر کے طبقے نے نہایت ہی عیاشانہ اور مسرفانہ زندگی اختیار کر رکھی ہے۔ اس طبقے کی ضروریات صرف کھانے پینے، رہنے سہنے اور بچوں کی تعلیم کی حد تک محدود نہیں ہیں بلکہ انھیں ہزاروں روپے بعض دیگر مشاغل کے لیے درکار ہوتے ہیں۔ جو لوگ ملک کا نظام چلا رہے ہیں ان کا تعلق بھی اسی طبقے سے ہے۔ قاعدے کی بات ہے کہ اوپر والوں کے عملی نمونے نیچے والوں کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ متوسط طبقہ اوپر والے طبقے کا اثر قبول کرتا اور متوسط طبقے سے پھر ادنیٰ اور فروتر درجے کے لوگ اثر پذیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتے ہیں ۔ یہ متوسط طبقہ اور بالکل نچلے طبقے کے لوگ تو ایک طرح سے اپنے آپ کو مجبور سمجھتے ہیں کہ وہ اپنا معیار زندگی قائم رکھنے کے لیے ہر طرح کے جائز و ناجائز ذرائع استعمال کریں۔

اب اگر آپ اس سارے مسئلے کو حل کرنا چاہتے ہیں تو آپ ہرگز یہ توقع نہ رکھیں کہ صرف ایک طبقے کی اصلاح سے اور وہ بھی قانون کے بل پر یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اس بیماری کی جڑیں معاشرے کی رگ رگ میں پھیل چکی ہیں ۔ اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ وہ معاشرتی خرابیوں کو رفع کرنے کے لیے صرف قوانین پر انحصار نہیں کرتا ۔ بلکہ وہ خرابی پر ہر پہلو سے اور زندگی کے ہر شعبہ سے حملہ آور ہوتا ہے ۔ وہ تعلیم و تربیت کے ذریعے سے تبلیغ و تلقین کے ذریعے اصلاح اور انسدادی تدابیر کے ذریعے سے اور ساتھ ہی قانون کے زور و اثر سے برائی کو مٹاتا ہے ۔ ایک اسلامی حکومت کو معاشرے کی اصلاح کے لیے یہ سارے کام کرنے ہوں گے ۔ تعلیم گاہوں ۔ نشر گاہوں ۔ اخبارات اور پراپیگنڈے کی ساری طاقتوں کو اس مقصد کے لیے استعمال کرنا ہوگا ۔ پھر سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ عملاً ان اسباب کو رفع کیا جائے جو اوپر والے طبقے کو اسراف پر آمادہ کرتے ہیں ۔ اس طبقے کے جو لوگ اونچی ملازمتوں میں ہیں ان کی تنخواہیں بڑھانے کے بجائے گھٹانے کی ضرورت ہے کیونکہ بیش قرار تنخواہیں ہی ان کی فضول خرچیوں کا اصل باعث ہیں ۔ نچلے درجے کے ملازمین کی تنخواہوں میں اضافے کی ضرورت ہے ۔ کیونکہ بسا اوقات حقیقی ضروریات کی فراہمی ہی انہیں بدعنوانیوں پر مجبور کرتی ہے ۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ ادنیٰ اور اوسط درجے کے ملازمین کی کثیر تعداد یہ چاہتی ہے کہ وہ رشوت خوری اور دوسری ناجائز کارروائیاں نہ کرے لیکن بعض حالات میں وہ مجبور ہوتے ہیں بہر حال اصلاح حال کے لیے یہ سارے اقدامات ناگزیر ہیں ۔ ان سارے انتظامات کے باوجود جو لوگ رشوت اور خیانت سے باز نہ آئیں ایسے مجرمین کے لیے اس قسم کے قوانین ہونے چاہئیں جن کی رو سے انھیں چوراہوں پر عبرتناک سزائیں دی جائیں۔

اس موقع پر بعض لوگ یہ سوال بھی اٹھاتے ہیں کہ اس طرح بجٹ میں دفعتہً اضافہ ہو جائے گا ۔ میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ ہمارے سرکاری اور نیم سرکاری ملازمین سارے ایماندار بن جائیں اور ان کا افلاس بھی باقی نہ رہے تو حکومت کی آمدنی بہت آسانی سے کم از کم دوگنی ہو سکتی ہے ۔ کیونکہ رشوت، غبن اور خیانت کی وجہ سے حکومت کی بہت سی آمدنی خزانے تک پہنچنے نہیں پاتی ۔ اگر حکومت اس سے محروم نہ رہے تو وہ بسہولت تنخواہوں کے اضافے کو برداشت کر سکتی ہے البتہ آغاز کار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے حکومت کو شاید اس کی ضرورت پیش آئے گی کہ وہ پبلک سے بلا سود قرضے طلب کرے۔ لیکن اسلامی حکومت کی ساکھ اور اس کا اعتماد اگر قوم میں موجود ہو تو ایک اصلاحی اسکیم کے لیے سود کے بغیر قرض حاصل کر لینا کچھ بھی دشوار نہیں ہے۔ اگر حکومت۔ ملازمین اور عوام دیانت داری کے ساتھ اس مہم میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں تو شاید چند سالوں کے اندر رشوت و خیانت کا نام و نشان بھی مٹ جائے اور جائز ذرائع کے ساتھ ہر شخص اپنی ضروریات مہیا کرنے کے قابل بھی ہو جائے۔

اسلام میں مزدوروں کے حقوق

اجرتوں کا تعیّن

اسلام کا نظریہ ملکیت حصّہ دوم میں محترم محمد نجات اللہ صدیقی رقمطراز ہیں کہ امام ابن تیمیہؒ نے ان صنعتی اور زرعی کاموں کا ذکر کیا ہے جو انسانی زندگی کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کا سامان پیدا کرتے ہیں اور متعدّد فقہاء کا حوالہ دیتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ یہ صنعتیں فرض کفایہ ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

"حاصل بحث یہ ہے کہ یہ سارے کام جو فرض کفایہ ہیں انھیں جب ایک فرد کے علاوہ کوئی دوسرا نہ انجام دے رہا ہو تو یہ اس فرد پر فرض عین ہو جاتے ہیں۔ بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ دوسرے افراد اس کو کرنے سے معذور ہوں۔ چنانچہ جب عوام النّاس کسی مجموعۂ افراد کی کاشتکاری، کپڑا بننے یا مکان تعمیر کرنے کی خدمات کے محتاج ہوں تو یہ کام واجب ہو جاتا ہے۔ اور اگر متعلقہ افراد اسے کرنے سے گریز کریں تو صاحب امران کو ان کے کرنے پر مجبور کرے گا۔ ان کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ عوام سے اپنی خدمات کے عوض مثل سے زیادہ اجرت کا مطالبہ کریں۔ اس طرح عوام کو اس بات کا موقع نہ دیا جائے گا کہ وہ ان لوگوں پر ظلم کریں اور ان کو ان کے حق سے کم اجرت دیں، ملاحظہ ہو" الحسبۃ فی الاسلام" تصنیف امام ابن تیمیہ صفحہ ۱۹۔

" اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ صاحب امر اگر صنعت کاروں کو ان کاموں کے کرنے پر مجبور کرے جن کی عوام کو ضرورت ہو، مثلاً کاشتکاری، بُن کری اور تعمیر عمارت، تو وہ اجرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثل کو معیارِ معاوضہ بنائے گا۔ متاجر کو اس بات کا موقع نہ دے گا کہ صنّاع کو اس سے کم اجرت دے، نہ صنّاع کو اس کی اجازت دے گا کہ وہ اس سے زیادہ اجرت طلب کرے، کیونکہ اس پر اس کام کا کرنا واجب ہے۔ ایسے مواقع پر تسعیر (اجرت متعین کرنا) واجب ہے اور اسی طرح اس صورت حال میں بھی تسعیر واجب ہے جب عوام کو ایسے لوگوں کی خدمات کی ضرورت ہو جو ان کے لیے آلاتِ جہاد، اسلحہ، ہل وغیرہ بنائیں۔ ان لوگوں سے اجرتِ مثل پر کام لیا جائے گا۔ نہ تو کام لینے والوں کو اس کا موقع دیا جائے گا نہ کام کرنے والوں کو اس کی اجازت دی جائے گی کہ وہ ایسے موقع پر جب کہ ان کی ضرورت ہے، اپنے حق سے زیادہ اجرت کا مطالبہ کریں۔ یہ خدمات کے سلسلہ میں تسعیر کی مثال ہے۔

آجر و متاجر کے درمیان کش مکش اور اختلاف کا ایک بڑا سبب اجرت اور کام کا عدم تعین ہے۔

اسی لیے اسلامی قانون میں معاہدہ اجرت کی تکمیل کے لیے یہ شرط ہے کہ اجرت منفعت اور کام سب معلوم ہونا چاہیے، اور خاص طور سے اجرت کی تعیین کے بغیر تو یہ معاہدہ مکمل ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ حضرت شعیب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو معاہدہ کیا تھا اس میں انہوں نے کام اور اجرت دونوں کی تصریح کر دی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

من استاجر اجیرا فلیعلمه اجره۔

جو شخص کسی کو اجرت پہ رکھے تو آجر کو چاہیے کہ اس کو مزدوری بتا دے۔

ایک دوسرے حدیث میں ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن استجارة الاجیر حتی یبین له اجره۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدور کی مزدوری بتائے بغیر اس سے کام لینے کو منع فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو سنن کبریٰ بیہقی کتاب الاجارہ ج ۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجرت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعیین اور مزدوری کی وضاحت پر اس لیے زیادہ زور دیا ہے کہ اس سلسلہ میں مزدوروں پر بہت زیادتی ہوتی ہے کیونکہ وہ مجبور رہوتے ہیں اور ان کی مجبوری سے آجر ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں ۔ پھر آپ نے "تعیین اجرت" کا اصول طے کر کے رسم بیگاری کا بھی خاتمہ کر دیا جس پر آج تک بعض ملکوں میں عمل درآمد ہوتا ہے ۔

اسی بنا پر تمام فقہا کا اس پر اتفاق ہے کہ ۔

وان من صحتها ان تکون المنفعة والعوض معلومین۔ الافصاح ابن هبیرہ صفحہ ۲۲۶ وهدایہ حصہ سوم صفحہ ۲۹۱

اس کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ منفعت یعنی کام اور اجرت دونوں معلوم ہوں ۔

عام طور پر معاشین تعیین شرح کے لحاظ سے اجرت کی دو قسمیں کرتے ہیں۔ اجرت وقت اور اجرت عمل ۔ TIME WAGE AND WORK WAGE اجرت وقت سے مراد وہ اجرت ہے جس میں شرح کی تعیین معیار اور وقت کے لحاظ سے کی جائے مثلاً سو روپے ماہانہ یا پچاس روپے ہفتہ ، اس کے مقابلہ میں اگر مزدوروں کو اجرت کام کی مقدار کے مطابق دی جائے تو وہ اجرت عمل کہلائے گی ۔ مثلاً ایک تھان کپڑے کی بنائی سو روپے ، ایک جلد ساز کو فی کتاب دس روپے یا ایک صفحہ کتابت کا معاوضہ پندرہ روپے وغیرہ وغیرہ

اجرت کی تعیین اور تقرر میں ایک فرق کارکردگی کے لحاظ سے بھی ہوتا ہے ۔ یعنی اجرت بلحاظ وقت دی جائے یا بلحاظ مقدار کار ۔ اس میں مزدور کی محنت ، مہارت اور کارکردگی کو بڑا دخل ہوتا ہے ، جو مزدور محنتی سمجھ دار ، ماہر اور جفاکش ہوتے ہیں ، ان کو ہر شخص زیادہ مزدوری دے کر کام لینا پسند کرتا ہے برخلاف اس کے سست ، کاہل ، بد دیانت مزدوروں کو کم سے کم اجرت ملتی ہے ۔ اس طرح جہاں مقدار کار کے لحاظ سے اجرت دی جاتی ہے وہاں بھی پہلا مزدور دوسرے کے لحاظ سے زیادہ اجرت حاصل کرتا ہے ۔ جو اجرت کارکردگی کے لحاظ سے دی جاتی ہے اس کو معاشیات کی اصطلاح میں اجرت مہارت یا اجرت کارکردگی کہتے ہیں ۔ اسلام نے تعیین اجرت میں جسمانی قوت کے ساتھ اخلاق و اوصاف کا لحاظ بھی ضروری قرار دیا ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر کوئی مزدور قوت جسمانی اور اخلاقی اوصاف میں نمایاں ہو تو اس کو زیادہ اجرت دینے کی اجازت ہے اور جو ان اوصاف میں جس قدر کم ہو اس کو اسی اعتبار سے کم اجرت دی جائیے مگر اس کمی کی ایک حد ہے، جس سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔

اسلام جفاکشی، محنت، دیانت داری، مہارت اور حسن کاری کو جس قدر پسند کرتا ہے اور کاہلی سستی، کام چوری اور بد دیانتی کو جس قدر ناپسند کرتا ہے اس کا اندازہ حسب ذیل آیات و احادیث نبوی سے ہوگا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی نے جب ان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اجیر رکھ لینے کی درخواست کی تو بطور دلیل یہ کہا کہ:

اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ (سورہ قصص: ۲۶)

اچھا مزدور وہ ہے جو قوی اور امانت دار ہو۔

اور اس میں دو وصف معلوم ہوتے ہیں یعنی جس میں قوت جسمانی کیسا تھ امانت کا وصف بھی ہو تاکہ وہ جس کام پر لگایا جائے۔ اس کو دیانت داری سے انجام دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

الخازن الامین الذی یودی ما امر بہ طیبۃ نفسہ۔

خازن اور امین وہ شخص ہے کہ اس کو جو کام سپرد کیا جائے۔ اس کو نہایت خندہ پیشانی سے انجام دے۔

مہارت اور حسن کاری کو بھی اسلام پسند اور اس کی ہمت افزائی کرتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ جو کام بھی کیا جائے، اس میں خوش نمائی اور پائیداری ہو۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت گری کا یہ وصف تبلایا ہے۔

صنع اللہ الذی اتقن کل شیٔ (النمل: ۸۸)

اللہ کی یہ صنعت گری ہے کہ اس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے۔

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ حضور انورؐ نے ایک بار فرمایا،

ان اللہ یحب اذا عمل احدکم عملا ان یتقنہ۔ بخاری: ۱:۳۰۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا کو یہ بات پسند ہے کہ تم جب کوئی کام کرو تو اس میں خوبی اور مضبوطی کا خیال رکھو۔

کتاب وسنت کی ان ہدایات سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱:۔ اگر مزدور کو جسمانی قوت اور اخلاقی اوصاف کے لحاظ سے کم وبیش اجرت دی جائے تو یہ اسلامی اجرت کے منافی نہ ہوگا۔

۲:۔ کارکردگی، مہارت اور حسن کاری کے لحاظ سے بھی اجرت مقرر کی جاسکتی ہے۔

اصول اجرت

"اجرت" معنوی لحاظ سے کسی کام کے معاوضے یا بدلے کو کہتے ہیں۔

شرعی لحاظ سے کوئی بھی مقررہ معاوضہ جو کسی بھی معلوم و معروف منفعت کی شکل میں ہو جو خرچ بھی کیا جاسکے اور مباح بھی ہو۔

اجرت کی اسلام میں کوئی محدود شکل نہیں ہے۔ چنانچہ جو چیز بھی کسی دوسری شئے کی قیمت بن سکتی ہے۔ وہ اجرت اور معاوضہ بھی بن سکتی ہے۔ اجرت میں یہ شرط ضروری ہے کہ وہ معلوم قسم کی جنس ہو، اس کی کیفیت اور مقدار بھی معلوم ہو۔ مزدوری مکمل عرصہ ملازمت کے لیے طے نہ کی جائے بلکہ معیّنہ وقت تک کے لیے مزدوری طے کی جائے اس کے بعد یہ معاہدہ خواہ کتنا ہی عرصہ چلتا رہے تاکہ تجدید معاہدہ کا موقع باقی رہے۔

مزدور و آجر کے درمیان سب سے بڑی وجہِ کشمکش اجرت ہوتی ہے۔ اسلام میں اس کا سہ رخی حل یہ ہے کہ

ا ۔ اجرت معقول ہو۔

ب ۔ اجرت طے ہو۔

ج ۔ اجرت جلد ادا ہو۔

معقول اجرت مزدور کی جائز ضروریات سے آجر کو غافل نہیں ہونا چاہیے۔ یہ نہیں کہ خود تو وسیع و عریض کوٹھیوں میں مقیم ہو اور مزدور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو اس کے نظامِ معیشت میں اُس کا رفیق ہے آسمان کی چھت کے نیچے گذر کرے۔ مکان کے علاوہ مزدور کے بچوں کی مناسب تعلیم کا اہتمام بھی ہونا چاہیے۔ اجرت اتنی ہو کہ وہ اچھا کھا پی سکے تاکہ اس کی صحت پر خوشگوار اثر پڑے۔ صحت مند مزدور کی استعدادِ کار زیادہ ہوگی تو اس کا مجموعی طور پر تمام نظامِ معیشت پر اچھا اثر مرتب ہوگا۔ یہ درست ہے کہ مزدور کی اجرت کے تعین کا معیار مزدور کی فنی صلاحیت، اور ملک کی عام معاشی حالت پر منحصر ہے اور اس بات پر بھی کہ کارخانہ عمل پیدائش خام مال اور مشینری کے حصول میں کس قدر تیز ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عصرِ حاضر میں مزدور و آجر کے اخلاقی مسائل معاشی مسائل میں اس قدر مدغم ہو گئے ہیں کہ انہیں جدا کرنا مشکل ہے۔ پھر بھی ان گھمبیر مسائل کی شدت اسلامی عدل واحسان کے آفاقی اصولوں کی روشنی میں ختم یا کم کی جا سکتی ہے۔

مالک کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاہدے کے مطابق طے شدہ اجرت ادا کرے بشرطیکہ معاہدہ فریقین کی رضامندی سے طے ہوا ہو اور اس میں کسی قسم کا دباؤ اور جبر بھی نہ ہو۔ خواہ یہ دباؤ حقیقی ہو یا معنوی۔

کبھی کبھی فریقین (آجر اور اجیر یعنی مالک اور مزدور) غیر منصفانہ طرزِ عمل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اگر کاروبار کے حالات اچھے ہوں تو مالک دباؤ میں ہوتا ہے۔ اگر کاروبار مندہ ہو (خاص طور پر جن دنوں افرادی قوت وافر مقدار میں میسّر ہو اور مزدوری سستی ہو) تو مزدور اپنی ضروریات سے مجبور ہو کر اپنی محنت سے بھی کم معاوضہ قبول کر لیتا ہے۔ اس صورتِ حال کا خود ساختہ قوانین (وہ قوانین جو انسانوں نے از خود بنائے ہیں اور وہ کسی آسمانی شریعت کے تابع نہیں ہیں) کے اندر تو کوئی حل موجود نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان کی نگاہ میں جبر و اکراہ مالک کی طرف سے نہیں ہے بلکہ واقعاتی حالات کی وجہ سے ہے۔ البتہ اسلام نے ایسی صورتحال میں بھی ایک عادلانہ حل پیش کیا ہے جو حکیمانہ نظام کا آئینہ دار ہے۔

لہٰذا اضطراری حالات سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے ایسے معاہدے کو اسلام نے فاسد قرار دیا ہے اور یہ بات بھی لازمی قرار دی ہے کہ مزدور کو مروّجہ اصولوں کے مطابق اجرت دی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَ ھُمْ ۔ (سورۃ الاعراف: ۸۵)

لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو۔

مسلمان حاکم کی ذمہ داری ہے کہ وہ مداخلت کرے اور مزدوروں کی اجرت مقرر کرے۔ دُرِّمختار میں ہے "مجبور کی خرید و فروخت فاسد ہے"۔ شیخ ابن عابدین اس قاعدے کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ "یہ کہ انسان خورد و نوش، لباس یا کسی اور ضرورت کی وجہ سے مجبور ہو جائے اور دکاندار بہت زیادہ قیمت پر سودا فروخت کرے۔ اس کے برعکس معاملہ خرید کا بھی ہے" اضطرار کو ثابت کرنے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ خرید و فروخت "غبن فاحش" ہو اور غبنِ فاحش کی تعریف یہ ہے کہ اس طرح کی خرید و فروخت جو عام آدمی کے لیے ناقابلِ برداشت ہو جائے، البتہ تھوڑی بہت مہنگائی معاف ہے۔ کیونکہ اس کو اضطرار نہیں کہتے، اگر ہم اس بات کو دوسرے زاوئیے سے دیکھیں کہ خرید و فروخت میں رقم کے بدلے سامان دیا جاتا ہے اور مزدوری میں رقم کے بدلے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ لہٰذا حکم کے اعتبار سے مزدوری کو تجارت پر قیاس کرنا ممکن اور صحیح ہے۔ اگر کوئی آدمی زندگی یا افرادِ خانہ کی زندگی کی وجہ سے مجبور ہو جائے اور کوئی استحصالی اسے کم اجرت پر رکھ لے تو اسلامی عدالت کی ذمہ داری ہے کہ اس کی مزدوری کو مقررہ حد تک طے کر دے۔ اسلام کے عادلانہ نظام کا یہی تقاضا ہے اور یہی معاملہ اس وقت ہو گا جب کوئی مالک مجبور ہو جائے اور اسے مروجہ اجرت سے زیادہ پر مزدور حاصل کرنا پڑے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے بھی مزدوروں کی اجرت کا معیار اجرت متعارفہ نہیں بلکہ اجرت صحیحہ Real wage ہے یعنی ان کو اتنی اجرت ملنی چاہیے جس سے ان کی بنیادی ضروریات پوری ہو سکیں۔ بشرطیکہ آجر اور مستاجر کے منافع میں بھی اس کی گنجائش ہو۔ قرآن پاک میں نکاح، وصیت اور رضاعت کے بیان میں جہاں جہاں معاوضہ یا اجرت دینے کا ذکر ہے وہاں قرآن پاک نے لفظ "معروف" کا استعمال کیا ہے۔ یعنی اجرت اور مزدوری معروف طریقہ پر دی جائے، مثلاً دودھ پلانے کا ذکر کرتے ہوئے قرآن نے ہدایت دی ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ (سورۃ بقرہ آیت ۲۳۳)

اگر تم کسی دوسری عورت سے اپنے بچوں کو دودھ پلوانا چاہتے ہو تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم معروف طریقہ پر ان کو اجرت دو۔

اس ٹکڑے میں ان کو معروف طریقہ پر اجرت دینے کا ذکر ہے۔ جس کے معنی بہت وسیع ہیں۔ آگے اس کی وضاحت آرہی ہے۔ اس آیت سے پہلے ماؤں کے دودھ پلانے کا ذکر کرتے ہوئے قرآن نے کہا ہے کہ:

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۔ (سورہ بقرۃ آیت ۲۳۳)

کسی آدمی کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جائے گی۔

اس کے بعد پھر ہدایت دی کہ

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۔

(سورۃ بقرہ آیت : ۲۳۳)

نہ تو ماں کو بچہ کی وجہ سے کوئی تکلیف دی جائے گی اور نہ باپ بچہ کی وجہ سے کسی زحمت میں ڈالا جائے گا۔

بالکل یہی دونوں شرطیں اس دودھ پلانے والی کے لیے بھی ہیں، جو اس کی ماں نہیں ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے آٹھ برس تک حضرت شعیبؑ کی بکریاں چرائی تھیں۔ حضرت شعیبؑ اور ان کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی اس کو قرآن مجید نے نقل کیا ہے۔ حضرت شعیبؑ نے کہا کہ اگر آپ نے ہماری بکریاں آٹھ برس تک چرائیں، تو میں اپنی لڑکی کا نکاح آپ سے کر دوں گا۔ اس کے بعد حضرت شعیبؑ نے کہا:

فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔

(سورۃ القصص آیت : ۲۷)

اگر تم دس برس پورے کر دو تو یہ تمہارا احسان ہوگا اور میں تمہارے اوپر کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سختی اور زیادتی کرنا نہیں چاہتا انشاء اللہ تم مجھے اچھا آدمی پاؤ گے۔

ایک مستاجر یا مالک کے طرز عمل اور مزدور کے کام کی مقدار اور اس کی اجرت کے تعین کے سلسلہ میں حضرت شعیبؑ نے خود ہی صراحت سے کہہ دیا کہ یہ کام کرنا ہوگا اور کام یا اجرت کی ادائیگی میں کوئی زیادتی نہیں کروں گا۔ انشاء اللہ تم مجھے اچھا آدمی پاؤ گے۔ لیکن ایک اجیر کا بھی حق ہے کہ وہ بھی اپنی حیثیت واضح کر دے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے ان کے جواب میں کہا۔

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ۔ (سورۃ القصص آیت ۲۸)

میرے اور آپ کے درمیان یہ طے شدہ معاہدہ ہے تو اس سلسلہ میں دونوں مدت میں سے جس مدت تک چاہوں گا کام کروں گا اس سلسلہ میں میرے اوپر کوئی جبر نہ کیا جائے۔ اور ہم جو بات طے کر رہے ہیں اللہ اس کا اصل نگران ہے۔

ان آیات سے فقہاء نے بے شمار مسائل اجرت اخذ کئے ہیں جس طرح قرآن پاک نے نکاح، وصیت، رضاعت اور اجرت کے سلسلہ میں ہر جگہ "معروف" کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی اجرت معروف طریقہ پر دی جائے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اجرت کے سلسلہ میں اور بعض دوسرے مواقع پر بھی لفظ "معروف" استعمال فرمایا ہے۔ اجیر کے بارے میں فرمایا کہ "طعامہ، وکسوتہ، بالمعروف" اس کا کھانا اور کپڑا عام معروف طریقہ پر دیا جائے۔ اسی معروف اور عرف و عادت کے تحت فقہاء نے بے شمار احکام میں تطبیق اور تعبیر سے کام لیا ہے۔ علامہ جصاصؒ اپنی کتاب "احکام القرآن" میں لفظ معروف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

ترجمہ: "اگر کوئی عورت زیادتی کرے اور اجرت مثل سے زیادہ طلب کرے تو اجرت مثل (یعنی اس کے لیے عام طور سے جتنے اخراجات دیے جاتے ہیں) سے زیادہ اخراجات نہیں دیے جائیں گے۔ اسی طرح اگر شوہر اس سے کم اجرت اور اخراجات دے جتنا عام طور پر رواج ہے تو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اسے اتنی اجرت اور خرچ دینے پر مجبور کیا جائے گا۔"

پھر اسی آیت کے ٹکڑے

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۳۳)

کسی شخص پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے گا۔

کے تحت کہتے ہیں کہ اگر دودھ پلانے والی اجرت مثل سے زیادہ مانگے تو اس کو اجرت مثل سے زیادہ اجرت نہیں دی جائے گی۔ اور اگر بچہ والا اجرت مثل سے کم اجرت دے تو اس کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ پوری اجرت دے۔

ان آیات سے حسب ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں۔

۱:۔ آجر اور مستاجر دونوں کی حیثیت مساویانہ ہے۔ دونوں اپنی رضامندی سے معاہدہ کرتے ہیں اور دونوں پر اس معاہدہ کی امانت دارانہ پابندی ضروری ہے۔

۲:۔ کام کے لینے میں اور کام کے کرنے میں دونوں کی صلاحیت اور قوت کا لحاظ ضروری ہے۔ اگر دونوں یا کوئی ایک فریق اپنے اوپر زیادتی محسوس کرتا ہے تو اسے معاہدہ فسخ کرنے کا حق ہے۔

۳:۔ اجرت کے دینے اور اجرت لینے میں بھی دونوں کی حیثیت اور ضرورت کا لحاظ کیا جائے گا۔

۴:۔ کوئی مستاجر کسی اجیر کو بازار کی عام اجرت یا اس طرح کے کاموں کی جو اجرت حکومت نے مقرر کر دی ہے نہ اس سے کم اجرت دے گا اور نہ اس کو کسی اور طریقہ سے استحصال کا موقع دیا جائے گا اور حکومت پوری اجرت دلائے گی۔ اسی طرح اجیر کو بھی اتنے مطالبہ کا حق نہیں دیا جائے گا کہ مستاجر کے کام کو فائدے کے بجائے نقصان میں تبدیل کر دے۔

اجرت کی جلد ادائیگی

قرآن پاک سورۃ قصص (آیت ۵،۷) میں حضرت شعیب علیہ السّلام کی صاحبزادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا مقولہ مذکور ہے ۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا :

اِنَّ ابی یَدعُوکَ لِیَجزِیَکَ اَجرَ مَا سَقَیتَ لَنَا ط

" میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ کو ہمارے جانوروں کو پانی پلانے کی اجرت دیں "

اس آیت سے واضح ہوا کہ مزدور کو اپنی اجرت طلب کرنے سے پہلے ہی اجرت ادا کردی جائے ۔ ادائیگی اجرت میں عجلت کس قدر مستحسن ہے وہ اس حدیث سے بھی ظاہر ہے ۔

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو " (ابن ماجہ باب اجر الاجراء صـ۱۷۸)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ مختصر اور بلیغ جملہ آجر اور مزدور میں صفائی معاملات اور صلح و آشتی کے استحکام کی پیش بندی ہے ۔ مزدوری کی عجلتِ ادائیگی پر جہاں اس قدر اہتمام ہے وہاں عدم ادائیگی میں کیا صورت ہوگی اس کی جھلک اس حدیث سے نمایاں ہوتی ہے ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے روز میں تین آدمیوں سے جھگڑا کروں گا ۔ ایک تو اس شخص سے جس نے میرے نام پر عہد کیا پھر اس کو توڑ ڈالا ۔

دوسرا اس شخص سے جس نے آزاد انسان کو فروخت کیا ۔

تیسرے اس شخص سے جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر لگایا اور اس سے پورا پورا کام لیا اور پھر مزدوری نہ دی ۔ (بخاری " کتاب الاجارۃ باب اثم من منع اجر الاجیر صـ۳۰۲ و ابن ماجہ صـ۱۷۸)

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگاہ میں موردِ الزام ہو اس کے بچنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے ۔ اجرت کی بہت کم ادائیگی بھی عدم ادائیگی کے مترادف ہوتی ہے صنعت کار کا معقول عذر کے بغیر مل ، فیکٹری بند کرنا (Lock out) بھی اسی ضمن میں آئے گا ۔ آجر کو اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ وہ اجرت پوری دے اور مطالبہ سے پیشتر ہی ادائیگی کر دے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجرت کی فوری ادائیگی کے بارے میں حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَعْطُوا الاَجِيْرَ اَجْرَهٗ قَبْلَ اَنْ يَّجِفَّ عَرَقُهٗ۔

(سنن ابن ماجہ، معجم الطبرانی، مسند ابو یعلی مجموعی طور پر سند قابل اعتماد ہے)

"مزدور کو پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری دے دو"

ان شرعی دلائل کے اندر ہم یہ بات بہت واضح انداز میں دیکھ رہے ہیں کہ اسلام نے کتنے احسن طریقے سے مزدور کے حق کا تحفظ کیا ہے اور مالک کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ وہ مزدور کا استحصال کر سکے۔ بلکہ فقہاء نے تو اس بات کی بھی اجازت دی ہے کہ مزدور کام کا کچھ حصّہ اپنے پاس رکھ لے، یہاں تک کہ مالک اس کی مزدوری چکا دے۔ اسلام کے انصاف کی یہ درخشاں مثال ہے کہ اس نے مزدور کی اجرت کا ہی تحفظ نہیں کیا بلکہ مالکوں کو اس بات کی بھی رغبت دلائی ہے کہ وہ مزدوروں کی عزت کریں، ان کی اجرت سے زیادہ ان کو دیں اور ایسے کاموں کو نیکی شمار کیا ہے۔ یہ مضمون متعدد احادیث میں موجود ہے۔

اجرت کا تعیّن

صنعتی مزدور کی اجرت تو طے ہوتی ہے مگر عام مزدور کی اجرت طے کرنے میں لوگ بسا اوقات تساہل سے کام لیتے ہیں مثال کے طور پر ریلوے کے قلی سے اجرت طے نہیں کی جاتی جو بعد میں باعثِ نزاع ہوتی ہے۔ دینے والا سرکاری طور پر معیّنہ اجرت دیتا ہے جبکہ قلی رواج کے مطابق زیادہ لینے پر اصرار کرتا ہے۔ یہاں اجرت رواج کے مطابق دینی چاہیے یا پھر پہلے قلی کو آگاہ کر دیا جائے کہ ادائیگی مقرّرہ شرح پر ہوگی۔
بعض مرتبہ یوں بھی ہوتا ہے کہ سیمنٹ کی کمیابی کی وجہ سے تعمیری کام ملتوی ہو جاتے ہیں اور مزدور بے کار ہونے کی وجہ سے کہیں نصف اجرت پر کام کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس جب مزدوروں کی کمی واقع ہو جاتی ہے تو نرخ بڑھا دیتے ہیں۔ یہ دونوں حالتیں درست نہیں۔ ہر حالت میں مروّجہ اُجرت ہی لینی دینی چاہیے۔ اصل طلب و رسد کا بہانہ بنا کر استحصال کرنا تقویٰ کو مجروح کرتا ہے۔ اِس سے بھی بُری بات دیہات میں مشاہدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں آتی ہے ۔ بڑے زمیندار گاؤں کے کسی بھی آدمی سے بلا اجرت کام لے لیتے ہیں ۔ کہتے ہیں فلاں کام کر دو ۔ کسی شخص سے بلا رضامندی اور بلا معاوضہ کام لینا گناہ ہے اور اس کی حق تلفی کے مترادف ہے ۔

بعض اور شرائط

۱ :۔ کام کرنے والے (اجیر) اور لینے والے (آجر) دونوں کا عاقل اور سمجھ دار ہونا ضروری ہے ۔ اگر کوئی ناسمجھ بچہ کوئی کام دے یا کوئی کام لے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا ۔

۲ :۔ اجیر اور مستاجر دونوں کی رضامندی ضروری ہے ۔

۳ :۔ جو کام لینا ہے اس کی پوری تفصیل بتا دی جائے ۔ مثلاً اگر جوتا بنوانا ہے تو اس کا پیمانہ دے دیا جائے یا نمبر بتا دیا جائے پھر اس کی قسم یعنی یہ بتا دیا جائے کہ شو ہو گا یا دلیپ یا نیوکٹ ہو گا اسی طرح اگر سنار سے کوئی زیور بنوانا ہے، تو اس کی بھی پوری تفصیل بتا دی جائے۔

۴ :۔ چیز کی قیمت پہلے سے طے کر لی جائے اور یہ بھی طے کر لیا جائے کہ قیمت ادھار ہو گی یا نقد ۔

اضافی اجرت

مزدور کے ذمّے صرف اتنا ہی کام لازمی ہے جو مالک کے ساتھ معاہدے میں طے پا گیا ہو ۔ خواہ یہ مقرر شدہ مقدار وقت کے لحاظ سے ہو یعنی اتنے گھنٹے کام یا کام کی مقدار کے لحاظ سے ۔ اگر مالک اس سے زیادہ کام لے تو اضافی کام کے اعتبار سے مزدور کو اضافی اجرت بھی ملے گی ۔ اس لیے کہ اس نے اضافی محنت خرچ کی ہے ۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :

" فَاِذَا کَلَّفْتُمُوْهُمْ فَاَعِیْنُوْهُمْ "

" جب تم انھیں (مزدوروں کو) تکلیف میں ڈالو تو ان سے تعاون کرو "

اجرت کے ملحقات

کھانا ، لباس ، علاج اور رہائش ملحقاتِ اجرت میں شامل ہیں " الاحکام العدلیہ " نامی رسالے میں ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اگر کسی علاقے میں یہ رواج ہو کہ وہاں مزدور کو کھانا بھی دیا جاتا ہے تو مالک کے ذمّے کھانا دینا بھی لازمی ہوگا اور یہی حکم رہائش، لباس اور علاج کا بھی ہے۔ کیونکہ رواج عام شرط کے درجے میں ہوتا ہے اس لیے کہ فقہ کا قانون ہے

عرف عام مقرّر کردہ شرط کے حکم میں ہوتا ہے۔

اس رائے کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَطْعَمُ وَيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ وَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ" (صحیح البخاری، کتاب الایمان باب ۲۲، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب ۱۰)

"یہ تمہارے بھائی تمہارے خادم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں تمہارے ماتحت بنایا ہے جس کسی کے ماتحت اس کا بھائی (دینی بھائی) ہو تو جس طرح کا خود کھاتا ہو اسے بھی کھلائے اور جس طرح کا خود پہنتا ہو اسے بھی پہنائے اور ان کی استطاعت سے زیادہ ان کو کام نہ دو اور اگر ان کو ذمہ داری دے دو تو ان سے تعاون کرو۔"

حادثات کا معاوضہ

دوران کام، کسی وجہ سے مزدور کو متعدد قسم کے خطرات درپیش ہوتے ہیں کبھی وہ زخمی ہو جاتا ہے، کبھی کوئی عضو ناکارہ ہو جاتا ہے اور کبھی کوئی ایک صلاحیّت (سننا، دیکھنا وغیرہ) ضائع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ مزدور جزوی یا کُلّی طور پر بے کار ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی تو ایسے حادثات سے موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔ لہٰذا گورنمنٹ اور مالکوں کی یہ ذمّہ داری ہے کہ وہ انتظام اور مکمّل احتیاط کے تقاضے پورے کریں تاکہ مزدور کا تحفظ ہو سکے اور کوئی تکلیف دہ حادثہ پیش آنے سے پہلے اس کا بچاؤ کیا جا سکے۔

اگر مزدور کا کوئی نقصان ہو جائے تو معاوضے کی ادائیگی ضروری ہے اور یہ معاوضہ نقصان اور تکلیف کے لحاظ سے ہوگا۔ کیونکہ یہ بات تو فقہ کے بنیادی قواعد میں سے ہے۔ "لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ" نہ کسی کو تکلیف دینی ہے اور نہ خود تکلیف برداشت کرنی ہے۔

اور دوسرا قاعدہ "اَلضَّرَرُ يُزَالُ" بیشک نقصان دور کیا جائے گا۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور یہ بات بلاشک و شبہ کہی جا سکتی ہے کہ مالی معاوضہ ازالۂ تکلیف کی ایک قسم ہے اور تکلیف کی سختی کو کم کر دیتی ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ تکلیف کی ذمّہ داری اور معاوضہ کس پر عائد ہوگا؟ ہمارے خیال میں حالات کے لحاظ سے معاوضہ مختلف لوگوں پر عائد ہوگا۔

اگر ہدایات میں کوتاہی یا احتیاطات میں کمی کی وجہ سے حادثہ پیش آیا ہے تو ذمّہ داری مالک کی ہے اور مالک کو ہی حادثے کی نوعیّت کے لحاظ سے عوضانہ ادا کرنا پڑے گا اور معاوضے کا اندازہ ایسے تجربہ کار لوگوں کی رائے سے لگایا جائے گا جو ہر طرح کے لالچ اور بددیانتی سے بری ہوں۔ معاوضے کے ضمن میں صحت مند ہونے تک علاج کا خرچ بھی شامل ہوگا اور جو کمی واقع ہوگئی ہے اس کی تلافی کا بھی لحاظ کیا جائے گا۔ اور اگر حادثے کی وجہ سے مزدور مستقل "بے کار" ہو جائے تو مزدور کی فنّی صلاحیّت کے لحاظ سے جس قدر اس کا نقصان ہوا ہے اس کے اندازے سے عوضانہ ادا کیا جائے گا۔

اور اگر حادثہ مزدور کی غلطی کی وجہ سے ہوا ہو یا اتفاقی معاملہ پیش آگیا ہو تو مالک کی کوئی ذمّہ داری نہیں ہے۔ البتہ تلافی مزدور کے مال سے کی جائے گی۔ یا پھر مسلمان حکومت کی ذمّہ داری ہے کہ وہ اس حادثے کے شکار شہری کی کفالت کرے۔ کیونکہ اسلامی حکومت کی ذمّہ داری میں یہ شامل ہے کہ ہر مسلمان کی کفالت کرے۔

پنشن فقہ اسلامی کی کتابوں میں پنشن نامی کسی موضوع پر گفتگو نہیں کی گئی۔ کیونکہ اس طرح کی شکل اسلامی حکومت یا اسلامی معاشرے میں کبھی در پیش نہیں آئی تھی۔ البتہ شرعی دلائل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمان معاشرے کے تمام افراد آپس میں ایک دوسرے کی کفالت کے ذمّہ دار ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ

(صحیح بخاری۔ کتاب الادب، باب الوصاۃ بالجار، صحیح مسلم۔ کتاب البر باب الوصیۃ بالجار)

"حضرت جبریل امین مجھے مسلسل پڑوسی کے بارے میں نصیحت کرتے رہے حتیٰ کہ مجھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو یہاں تک گمان ہو گیا کہ شاید وہ پڑوسی کو جائیداد کا وارث بھی قرار دے دیں گے۔"
اور دوسری جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُوْلُ مَنْ وَصَلَنِيْ وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَنِيْ قَطَعَهُ اللّٰهُ۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الادب، باب من وصل وصلہ اللہ باب ۱۳، صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ۔ باب صلۃ الرحم ۶)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ كَانَ لَهُ فَضْلُ مَالٍ فَلْيُعِدْ بِهِ عَلٰى مَنْ لَا مَالَ لَهُ وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيُعِدْ بِهِ عَلٰى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهُ"

(صحیح مسلم کتاب اللقطہ حدیث ۱۸)

"جس آدمی کے پاس زائد از ضرورت مال ہو وہ اس آدمی کو دے دے جس کے پاس مال نہ ہو اور جس کے پاس اضافی سواری ہو وہ اسے اس آدمی کو دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو۔

اور اس کے بعد امیر المؤمنین اور بیت المال کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر فرد کی کفالت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ"

صحیح بخاری، کتاب الاستقراض باب ۲۰ العبد راع ..... الخ)

"تم میں سے ہر فرد نگران ہے اور ہر آدمی اپنی رعایا کی حد تک جواب دہ ہے۔"

مزید ارشاد فرمایا:

اَنَا اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ فَمَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ وَلَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً فَعَلَيَّ قَضَاؤُهٗ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ۔

(صحیح بخاری کتاب الفرائض باب ۴، صحیح مسلم کتاب الفرائض باب ۴)

"میں اہل ایمان سے بہت قریب ہوں، جو آدمی مقروض مرا ہو اور کوئی ایسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چیز نہیں چھوڑی جس سے اس کے قرض کی ادائیگی ہو سکے تو اس کی ادائیگی میرے ذمے ہے اور جو آدمی مال چھوڑ کر مرے تو وہ مال اس کے ورثاء کا ہے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

"مَنْ تَرَكَ دَيْنًا اَوْ ضِيَاعًا فَلْيَاتِنِيْ فَاَنَا مَوْلَاهُ"

(صحیح البخاری۔ کتاب التفسیر سورۃ الاحزاب ع ۳۳ ابتدا میں صحیح مسلم۔ کتاب الفرائض باب ۴)

جس نے قرض چھوڑا یا ہر جانہ ادا کرنا ہو تو وہ (طلبگار) میرے پاس آئے اس کا سرپرست میں خود ہوں۔

یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھے یہودی کو مانگتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا" ہم نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا، ہم نے تیری جوانی کی کمائی تو لے لی ہے البتہ بڑھاپے میں تجھے بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے، پھر اس کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا"

اگر پنشن کا موجودہ نظام اسلامی فقہ میں موجود نہیں ہے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اسلامی حکومت ایسا نظام بنا سکتی ہے جو موجودہ پنشن سے قریب تر ہو۔ کیونکہ مصالح مرسلہ بھی بعض فقہاء کے نزدیک شریعت کا ایک حصہ ہے۔ اس پر مزید یہ کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ اَنّٰى وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ النَّاسِ بِهَا"

(سنن الترمذی، کتاب العلم۔ آخری باب، آخری حدیث)

"دانائی مومن کی گم کردہ متاع ہے وہ جہاں بھی اسے پائے دوسروں کے مقابلے میں وہ زیادہ حقدار ہے۔

جس بات کا حکم یا نہی شریعت میں موجود نہ ہو اگر حالات کا تقاضا ہو تو کسی مفید کام کو اختیار کرنے کا نام "مصالح مرسلہ" ہے۔ گویا کہ حرام حلال کے علاوہ قانون سازی کی آزادی کا نام ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(مزدور) اجیر کے ساتھ ناانصافی

اجیر کی معاشی مجبوری، بے لبسی اور بے روزگاری سے فائدہ اٹھا کر اس کو اجرت کم دے کر کام زیادہ لینے کی کوشش نہ کرنی چاہیے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اخلاقاً و دیانتہً بھی مجرم ہوگا اور قانوناً بھی۔ یعنی آخرت میں بھی اس کا وبال اس کو بھگتنا پڑیگا اور اسلامی حکومت بھی اس معاملہ میں مداخلت کرنے کی مجاز ہوگی خواہ حکومت خود اس بات کو معلوم کرلے کہ ایک متاجر مزدوروں کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر ان پر ظلم کر رہا ہے خواہ مزدوروں کے توجہ دلانے پر اس کو معلوم ہو۔

اجرت دینے کے لیے متاجر نے جو وقت مقرر کیا ہے اسوقت اس کو اجرت دے دینا ضروری ہے، اگر اتفاق سے کسی دن یا کسی ماہ میں تاخیر ہوگئی تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اگر عادۃً ایسا ہی کرتا ہے، تو قانونی اور اخلاقی دونوں حیثیت سے وہ مجرم ہوگا۔ اجیر کی اجرت میں تاخیر کرنا انتہائی بُرا ہے اور ارشادِ نبوی اس سلسلے میں گذر چکا ہے کہ مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ہی دے دینا چاہیے۔

عام طور پر مزدوروں سے جو کام لیا جاتا ہے اس سے زیادہ کام نہ لیا جائے، اگر کوئی متاجر قدرت سے زیادہ کام لینے کی کوشش کرے گا، تو خواہ مزدور اپنی مجبوری کی وجہ سے اس پر راضی ہی کیوں نہ ہو جائے، اس سے روکا جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لیا جائے، حتّٰی کہ آپ نے جانوروں کے بارے میں بھی یہی حکم دیا ہے۔

متاجر ملازموں یا مزدوروں کو متنبہ تو کرسکتا ہے، مگر گالی گلوچ یا زدوکوب نہیں کرسکتا، اگر کرے گا تو حکومت اس کو سزا بھی دے سکتی اور جرمانہ بھی کرسکتی ہے محتسب کا کام یہ بھی ہے کہ دیکھے کہیں مزدوروں کے ساتھ ان کے (مالکان) آجران ظلم و زیادتی تو نہیں کر رہے۔ جہاں بھی ایسے واقعات یا حالات دیکھے ان کی رپورٹ قاضی کو فی الفور کرے تاکہ ظلم و زیادتی کا سدِ باب جلدی ہو اور عدل و انصاف قائم ہو۔ اگر متاجر کسی دن کام نہ لے، تو اس دن کی اجرت اس کو دینی پڑے گی، یا نہیں، اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر اس نے ماہوار تنخواہ پر مزدوروں کو رکھا ہے تو اس صورت میں کام نہ لینے یا چھٹی کے دن کی بھی اجرت اس کو دینی پڑے گی، لیکن اگر اس نے روزانہ کی مزدوری پر رکھا ہے تو وہ جس دن کام لے گا اس دن کی مزدوری دے گا اور جس دن کام نہیں لے گا، مزدوری نہیں دے گا۔

علاج معالجہ (Medical Treatment)

کسی ملک کے بیکار، اپاہج اور بیمار افراد کی دیکھ بھال کی سب سے بڑی ذمہ داری تو حکومت کے اوپر ہی ہوتی ہے لیکن معاشرے کے افراد پر بھی اس کی ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں، اگر کوئی فرد بیکاری کی وجہ سے بھوکوں مرے، یا علاج میسّر نہ ہونے کی وجہ سے وہ لقمۂ اجل ہو جائے تو محض حکومت ہی قصوروار نہیں ہوگی، بلکہ معاشرہ کے وہ تمام افراد اس کے ذمہ دار قرار دیئے جائیں گے، جنھوں نے قدرت کے باوجود اس کی دیکھ بھال نہیں کی ہوگی اور یہ ذمہ داری اس شخص پر اتنی ہی زیادہ ہوگی جو اس سے جتنا قریبی تعلق رکھتا ہوگا، خواہ وہ تعلق خون کا ہو، عزیزانہ ہو یا محلہ پڑوس کا، متاجر جن مزدوروں سے یا کوئی مالک جن نوکروں سے کام لیتا ہے وہ ان سے سب سے زیادہ قریب ہوتے ہیں اس لیے ان کی جملہ ضروریات کی دیکھ بھال ان کے ذمہ ہونی چاہیے۔ یعنی راقم افکار محترم مولانا مجیب اللہ ندوی کے خیال میں مزدوروں کے علاج معالجہ کی اخلاقی ہی نہیں بلکہ قانونی ذمہ داری بھی متاجروں پر ہونی چاہیے، جس طرح ایک مضارب کام کے اخراجات کے علاوہ علاج کا خرچ بھی مضاربت کے روپیہ سے لے سکتا ہے جس کا اثر براہِ راست روپیہ لگانے والے کے سرمایہ پر پڑتا ہے، اسی طرح ایک مزدور جس کی حیثیت عملاً ایک مضارب کی ہے، اس کے علاج کی ذمہ داری بھی سرمایہ لگانے والے پر ڈالی جانی چاہیے۔

اجرت کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات اور مضاربت کے احکام کی روشنی میں مولانا نے محترم نے یہ رائے قائم کی، مگر بہرحال یہ ان کے قول کے مطابق ان کا قیاس ہے اگر اس میں کوئی غلطی ہے تو اہلِ علم حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اس غلطی کی طرف توجہ دلادیں، مگر یہ گذارش ضرور ہے کہ جوبات کہی جائے وہ دلائل کے ساتھ کہی جائے۔

میرا خیال ہے کہ مولانا محترم ندوی صاحب نے اپنی فکری پختہ بصیرت فقہ اسلامی کی بنیاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر جو رائے قائم کی ہے وہ مضبوط دلائل پر مبنی اور صائب ہے ۔ سرمایہ دار، ذی حیثیت آجر و متاجر پر واجب ہے کہ اپنے مزدور کا بیماری علالت میں علاج کرائے اور اس کے لیے جو روپیہ پیسہ خرچ ہوگا وہ اس کے حق میں صدقہ ہے اس طرح مزدوروں کے دل میں بھی اپنے آجر کی عزت و وقار میں اضافہ ہوگا اور وہ دل لگا کر محنت کریں گے اور اسے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے میں کوشاں ہوں گے ۔

محنت کشوں کے باب میں شریعت اسلامیہ کی فضیلت

مزدوروں کی معاشی اور معاشرتی پریشانیوں اور الجھنوں کے رفع کرنے کے لیے اسلامی شریعت نے جو اخلاقی ہدائتیں اور قانونی بندشیں کی ہیں، اگر ان پر عمل کیا جائے تو مزدور معاشی حیثیت سے بھی مطمئن ہو جائے گا اور معاشرتی حیثیت سے بھی اس پر ظلم نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ

اسلام، نظام اخوت و مساوات

ہے ، ایسی جو قومیں انسانوں کو یک جوہر یا یک اصل نہیں تبلاتیں وہ دنیا میں کبھی بھی حقیقی جمہوریت و فلاح و بہبود محنت کشاں کی علمبردار نہیں ہو سکتیں جن کے یہاں انسانوں کا کوئی طبقہ سورج کی اولاد ہو اور کوئی پیروں کی مٹی سے پیدا شدہ ہو، ان کے یہاں اونچ نیچ، آجروں اور مزدوروں کے مراتب میں امتیاز ہی نہیں چھوت چھات بھی لازم ہوگی جن کے یہاں گورے کو کالے پر پیدائشی برتری ہو اور رنگ و روپ ان کے یہاں مابہ الامتیاز ہو، جن کے یہاں انسانوں کی کوئی ایک اصل نہ ہو بلکہ انسان کسی جنگل میں پودوں کی مانند زمین سے اُگ آئے ہوں تو ان کے یہاں باہمی جذب و کشش کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جب انسانوں میں پیدائشی طور پر اونچ نیچ چھوت چھات، برتری اور کہتری اجنبیت اور علیحدگی تبلائی جائے جو میل ملاپ یا اشتراک و یکسانیت اور مساوات کے پیر جمنے ہی نہ دے تو وہاں عالمگیر جمہوریت کے نام لینے کے کوئی معنی ہی نہ ہوں گے اور پھر بھی نام لیا جائے گا تو وہ دنیا کو دھوکہ دہی ہوگا جو کبھی شرمندۂ عمل نہ ہوگا ۔ یورپ عالمگیر جمہوریت کا دعویدار ہے اور اس نے بلاشبہ تمدنی وسائل کو عالمگیر بنا ہی دیا ہے ۔ مگر پھر بھی وہ عملاً اسے چلا نہیں سکتا کیونکہ وہاں کالے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گورے کا فرق، آجر و اجیر (محنت کش) اور خون و نسب کی جوہری تفریق کا جذبہ موجود ہے اور وہ کسی ایسے مسلک پر اعتقاد نہیں رکھتا جو ان کی روحوں اور دلوں میں حقیقی عالمگیر اور یکسانیت کا جذبہ پیدا کر دے۔ اس لیے اس کا دعویٰ جمہوریت محض سیاسی مفاد کی حد تک آ کر رک جاتا ہے اور حقوق مزدوراں و محنت کشاں کا اعزاز زبانوں پر رہ کر حلق سے نیچے نہیں اترتا چہ جائے کہ کسی مخلصانہ عملی ادائیگی حقوق محنت کشاں کی داغ بیل ڈالی جائے۔ ان کا سب سے بڑا عملی میدان قوموں کو اپنی سیاست پر نچانا اور دعوائے جمہوریت و تحفظ حقوق محنت کشاں کر کے انھیں نیچ اور غلام بناتے رہنے کی سعی کرتے رہنا اور اپنے سیاسی منافع کے لیے ان کے جذبات سے کھیلنا مزدوروں کو احتجاج کی راہ پر لا کر اپنے ذاتی مفاد کیلیے ان کے سکرات موت سے تفریح کرنا ہے اور بس۔

ہاں حقیقی طور پر وہ مسلک دنیا کے سارے انسانوں کو ایک پلیٹ فارم پر لا سکتا ہے جو انھیں ایک جوہر بتلا کر ایک ماں باپ کی اولاد تبلائے اور ان میں رشتۂ یگانگت ہی نہیں رشتۂ اخوت ثابت کر کے انکے درمیان باہمی نفرتوں کو مٹا ڈالے اور نسبی فرقوں کو ختم کر دے جو انسانی جہالتوں کی ابتدائی فرقہ واریت ہے اور وہ اسلام کے سوا ہمیں کوئی دوسرا مسلک نظر نہیں آتا اسی کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر محنت کشوں کے حقوق اور آجروں کے حقوق کا بخوبی تحفظ کیا جا سکتا ہے نظام عدل و احسان فراہم کرتا ہے۔

غور کیا جائے تو انسانوں میں یہ رشتۂ یگانگت واخوت قائم کر کے اسلام نے مذہب ہی کا نہیں انسانیت کا احترام قائم کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ انسانوں کا کوئی طبقہ کسی حالت میں بھی نجس العین نہیں کہ وہ تو وہ اس سے چھوٹی موٹی چیز بھی نجس بن جائے۔ انسان تو انسان ہے اور اُنس اس سے کسی حال میں بھی منقطع نہیں ہو سکتا۔ اس کے افعال میں گندگی آ سکتی ہے۔ اس کے خیالات ناپاک ہو سکتے ہیں مگر خود انسان اور انسانیت کا جوہر نہیں مٹ سکتا اور اس انسانیت کی حیثیت سے بہر حال وہ واجب الاحترام ہی رہے گا خواہ وہ بطور محنت کش و مزدور جوتیاں بنائے یا بوٹ پالش کر کے گزارہ کرے اس کی انسانیت کبھی گندہ نہ ہوگی۔ بلکہ اس کی اسی محنت میں عظمت ہے اور وہ لائق احترام ہے کہ کسب حلال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کوشاں ہے۔

اس لیے شریعت اسلام میں کسی انسان کا (خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، آجر ہو یا اجیر (مزدور، محنت کش) کا پس خوردہ ناپاک نہ ہوگا۔ یہ وہی پاسداری ہے اور نفس انسانیت کا احترام ہے ورنہ اگر اس کی ہاتھ لگی خشک یا تر چیز یا اس کا پس خوردہ نجس وناپاک اور واجب الاحتراز بن جائے تو درحقیقت اس کے جوہر اصلی کی ناپاکی اور انسانیت کے گندہ ہونے کا دعویٰ ہوگا، جس سے پھر کوئی انسان بھی پاک نہیں ٹھہر سکتا۔ حالانکہ یہ دنیا کی اقوام کے اجماع کے خلاف ہے۔ کوئی قوم یا طبقہ بھی علی الاطلاق تمام انسانوں کو ناپاک نہیں ٹھہرا سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلام نے حائضہ کو چھو دینے یا اس کا پس خوردہ استعمال کرنے سے یا اس کے ساتھ مل کر کھانے پینے کو ممنوع نہیں ٹھہرایا۔ کیونکہ اس کی یہ ناپاکی حکمی ناپاکی ہے۔ جو عبادات خاصہ کی حد تک مؤثر ہوتی ہے۔ عورت کو نجس العین نہیں بنا دیتی کہ اس کے سایہ سے بھی فرار اختیار کیا جائے۔ یا جاہل عربوں اور یہودیوں کی طرح اس زمانہ میں اس کی جگہ، کھانا پینا، سب الگ تھلگ کر دیا جائے اور اسے ایک اچھوت کی حیثیت سے پہلے انسانوں سے کاٹ دیا جائے کیونکہ یہ براہ راست انسانیت کی توہین ہے۔

بالکل یہی برتاؤ غیر اسلامی معاشرت میں آجر لوگ مزدوروں کے ساتھ روا رکھتے ہیں کہ انھیں اپنے سے کم تر، نیچ اور گھٹیا مخلوق تصور کرتے ہیں اور ان کے ساتھ مل جل کر کھانا پینا باعث عار سمجھتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جو مذہب اور مسلک اپنے ابتدائی عہد ہی میں اقوام عالم کو بلحاظ جوہر پاک بتلائے سب کو یک جوہر کہے۔ سب میں برادری اور اخوت کا رشتہ ثابت کرے۔ سب میں سے مصنوعی اونچ نیچ ختم کر کے ان میں یکسانی اور برادری ثابت کرے۔ ان میں چھوت چھات مٹا کر باہمی میل جول اور معاملات کے راستے ہموار کرے۔ وہ اقوام عالم کو ملانے والا کہا جائے گا یا ان میں فرقہ واریت اور کشیدگیاں پیدا کرنے والا سمجھا جائے گا اور آیا وہ سب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو ایک پلیٹ فارم پر لا سکتا ہے یا وہ جوان میں چھوت چھات اونچ نیچ اور تفاوتِ جوہر کا قائل ہو؟

پس جب بھی دنیا بین الاقوامیت کی طرف آئے گی اور جب بھی وہ عالمی رشتہ اور عالمی یگانگت کا نصب العین لے کر کھڑی ہوگی تو اس کے لیے چارۂ کار نہ ہوگا کہ وہ اسلام کے اس اصولی یک جوہریت اور یک اصلیت کو ماننے اور اس کے ذریعے سے اقوام میں سے نفرت باہمی اور اونچ نیچ کا خاتمہ کرے۔ ورنہ بین الاقوامیت تو بجائے خود ہے، ایک قومیت کی سطح بھی ہموار نہیں رہ سکے گی اور ایک ہی قوم اور طبقے میں آجر و مزدور میں اتنے تفرقے اور اتنی نفرتیں ہو جائیں گی کہ ان کا ایک پلیٹ فارم، ایک مسجد ایک مدرسہ ایک خانقاہ میں جمع ہونا محال ہو جائے گا جیسا کہ اس قسم کی تنگ دل اقوام و طبقات CLASSES میں اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ آج ہر تعلیم یافتہ اور سمجھ دار طبقہ خواہ وہ کسی قسم کا بھی ہو ہمہ گیری اور عالمگیری کی طرف آ رہا ہے اور اس کے لیے ہر نوع کی اونچ نیچ کو ختم کرنے پر آمادہ ہے، جو اسلام کی خاص تعلیم ہے اور وہی دنیا میں اس اخوت و مساوات یک اصلی اور یک جوہری کو لے کر آیا تھا۔

اس اونچ نیچ کے خاتمہ پر پھر بھی اگر فرقہ واریت اور باہمی کشیدگی نظر آتی ہے تو وہ مذہبی لائنوں سے آ رہی ہے اور اس لیے ہر ملک کی دنیا مذہبی لائن کو سیاسیات سے ختم کرنے پر تلی ہوئی ہے کوئی شبہ نہیں کہ دنیا کا یہ فعل معقول اور لائق تحسین ہے مگر ان ہی مذاہب کی حد تک جو یقیناً ان کشیدگیوں اور صد انواع فرقہ واریتوں کی تعلیم دیں یا اس کی ذمہ دار ہوں۔

لیکن جو مذہب بنیادی اور اصولی طور پر مال و دولت اور رسمی منصب و وقار کے تفرقے مٹانے کے لیے ہی آیا ہو فرقہ واریت ختم کرنے اور رنگ و روپ نسب و نسل، دولت و مال اور رسمی منصب و وقار کے تفرقے مٹانے کے لیے اور اس نے دنیا کے سامنے اصول ہی وہ رکھے ہوں جن کے ہوتے ہوئے فرقہ واریت کے جراثیم پل نہ سکیں تو اس کا کیا قصور ہے کہ اسے بھی ملک و ملت اور ان کے معاملات سے خارج کیا جائے؟ اور اگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ اسے خارج بھی کرتے ہیں تو وہ خارج ہوتا کب ہے؟ آپ فرقہ واریت کے مٹانے کے لیے جو اصول بھی اختیار کریں گے وہ اسی کا تو اصول ہوگا۔ اس لیے اب اس کا انکار کرکے بھی اس کا اقرار کریں گے اور اسے رد کرکے بھی اسے قبول ہی کریں گے۔ اگر آپ اونچ نیچ مٹائیں گے تو آپ نے عقیدۃً یا عملاً اس کی مخالفت کب کی اور اگر آپ اخوت و مساوات کا اصول لا رہے ہیں تو آپ دل و جان سے اسلام کی مخالفت کب کر رہے ہیں، سوائے اس کے کہ زبان سے مخالفت کر رہے ہیں جو دل سے الگ ہو کر بول رہی ہے تو اس کا اعتبار کیا ہے کہ وہ لائق توجہ ہو۔ قول محض جس کے ساتھ عقیدہ ہو نہ عمل کب وقعت رکھتا ہے کہ اسے مانا جائے پس آپ اسلام کا نام لینے سے تو ڈرتے ہیں لیکن اس کا کام کرنے سے اور اس کو ماننے سے نہیں ڈرتے، پھر ایسی چیز سے بھاگنے اور ڈرنے سے کیا حاصل ہے جو آپ کا پیچھا نہ چھوڑے اور آپ کہیں بھی بھاگ کر جائیں وہ آپ کا پیچھا کرے اور وہیں جا پکڑے پس کیا ہی اچھا ہو کہ آپ زبان سے بھی اس چیز کے نام سے ڈرنا چھوڑ دیں جو آپ کے دلوں اور روحوں میں گھس چکی ہیں۔

قانونی مساوات

انسانوں میں انسانیت کی یگانگت اور یک جہتی کے بعد اگر تفرقہ پھیل سکتا ہے تو وہ قانونی تفاوت سے کہ ایک قوم کے افراد کو مثلاً ایک عبادت گاہ میں برابری کے ساتھ جمع ہونے کا حق نہ ہو قومی قانون کی کتاب کو یکساں سب کو پڑھنے کا حق نہ ہو۔ یکساں سننے کا حق نہ ہو عبادت گاہیں مخصوص خاندانوں کا حق قرار دے دی جائیں، تعلیم گاہیں مخصوص خاندانوں کی ملکیت ہوں۔ علم مخصوص قبائل کا ورثہ ہو۔ جس سے ہر ایک کو مساویانہ انداز سے استفادہ کا حق نہ ہو۔ دسترخوان اور اس کے ظروف عوام و خواص کو یکجا نہ کر سکیں۔ کچھ آئینی طور پر شدھ ہوں اور کچھ قانوناً نیچ ہوں تو یقیناً ایسی قوم تفرقہ کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ زمانہ جاہلیت میں مشرکین عرب میں جہاں نسلی اور نسبی امتیازات تھے وہیں عباداتی امتیازات بھی تھے۔ حج کے موقع پر عام لوگ تو عرفات میں وقوف اور قیام کرتے تھے لیکن اشرافِ عرب کا رتبہ اس سے بالاتر تھا۔ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف منی تک پہنچ کر رک جاتے تھے اور ان کی امتیازی شان عوام الناس کی برابری یا اس کے دوش بدوش عبادت گذاری برداشت نہیں کر سکتی تھی ۔ گویا قانون مذہب ہی نے ان کو امتیازی حق دے دیا کہ ہمیشہ کے لیے عبادت کے دائرہ میں انھیں اونچ اور دوسروں کو نیچ بنا دیا تھا یا جیسے نصاریٰ کے یہاں پاپائیت کے اقتدار کے دور میں حدود و قصاص اور تعزیرات چھوٹے لوگوں پر جاری کی جاتی تھیں لیکن بڑے لوگ قانون کی گرفت سے مستثنیٰ تھے گویا وہ قانون کی رو اونچ تھے اور دوسرے نیچ ۔ کسی قوم میں ایک طبقہ روپیہ کمانے کیلیے مخصوص تھا اور ایک طبقہ اس سے محروم ہو کر ذلیل خدمات کے لیے وقف تھا ۔ گویا ایک خلقتہً سرمایہ دار بننے کے لیے ہی پیدا کیا گیا ہے اور ایک ہمیشہ نادار بننے کے لیے ۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ان اقوام میں باہمی تفرقے ہی نہ تھے ۔ باہم شدید نفرت تھی ظلم و تحقیر کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور حرب وضرب باہمی کے جراثیم رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھے، جس سے ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے کسی وقت بھی مامون اور مطمئن نہ رہ سکتا تھا ۔ ایک طبقہ کی زندگی اجیرن تھی گویا وہ پیدا ہی اس پستی و دناءت کے لیے کیا گیا تھا، یہی طبقہ مزدور و محنت کش تھا اور ایک طبقہ مگن اور مطمئن تھا گویا وہ مخلوق ہی طمانیت اور بشاشت کے لیے ہوتی ہے ۔

اسلام نے اس فرقہ وارتیت کو نیست و نابود کر دیا

اس نے کہا کہ علم کسی ایک خاندان کی میراث نہیں بلکہ بلا تفریق خاندان و نسل ضروریاتِ دین کی حد تک علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور زائد از ضرورتِ عام فرض کفایہ، عبادت گاہوں میں محمود و ایاز مستاجر و آجر، اجیر و مزدور، محنت کش برابر ہیں ۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

صفوف عبادت میں صدیق اکبرؓ اور ایک حبشی غلام یکساں ہیں ۔ حدود و قصاص اور تعزیرات میں ایک عام آدمی اور سید الرسل کی بیٹی برابر ہیں ۔ اگر خدانخواستہ پیغمبر کی بیٹی بھی فعل سرقہ کی مرتکب ہو تو اس کے ہاتھ بھی عوام کی طرح کاٹے جانے ضروری ہیں ۔ حج میں دو کپڑے کا احرام شاہ و گدا کے لیے برابر ہے ۔ خواہ ایک عامی ہو یا سلطان ابن سعود ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دونوں کے لیے عرفات جانا بھی ناگزیر ہے اور ایک ہی نوع کے احرام میں ملبوس ہو کر وہاں ٹھہرنا بھی لازمی ہے، مالِ غنیمت سے اگر ایک چادر کسی عامی کا حق ہے تو اتنا ہی امیر المؤمنین کا بھی حق ہے، ورنہ شبہ پر بھی ایک بدوی فاروقِ اعظم رض پر اعتراض کر سکتا ہے اور امیر المؤمنین کو جوابدہی لازم ہے۔ قانونِ اسلام کی نگاہ میں سب کے حقوق برابر ہیں۔ بہرحال فرقہ وارانہ اور قومی تفریق کی ایک بنیاد نسبی اور نسلی امتیازات تھے تو انھیں بھی اسلام نے ختم کر دیا اور ایک دوسری جڑ قانونی امتیازات تھے۔ ان کی بھی بیخ کنی کر دی۔ آیت عنوان کے پہلے جملے

اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ تا اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ

تم میں بڑا وہ ہے جو خدا کے نزدیک پارسا ہو۔

سے قانونی امتیازات کو ختم کر دیا جس کے معنی مساوات کے ہیں یعنی جو اس قانون تقوی و دین پر زیادہ چلے گا وہی عند اللہ بڑا ہو گا جو اس سے ہٹا رہے گا وہ ذلیل رہے گا جس کا حاصل سب پر قانون کی یکساں پابندی اور سب پر قانون کا یکساں حکمران ہونا نکلتا ہے۔ پس نسبی تفوق اخوّت سے ختم ہو جاتا ہے اور قانون تفوق مساوات سے جاتا رہتا ہے اور اخوّت و مساوات انسانی ہی اسلام کا خاص اصول ہے۔

مزدور و محنت کش طبقہ:

مسٹر زیڈ۔ اے بھٹو نے ۲۰۔ دسمبر ۱۹۷۱ء کو قوم سے خطاب کرتے ہوئے اپنی پہلی نشری تقریر میں مزدوروں سے متعلق اپنی پالیسی کا ذکر کرتے ہوئے محنت کش طبقے کو ان الفاظ میں اپنی حمایت کا یقین دلایا تھا کہ:

"میں مزدوروں کے استحصال کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔ میں صنعت کاروں کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ وہ تالہ بندیاں نہ کریں، مزدوروں کو نہ نکالیں کیونکہ مزدور ہی ہمارے حاکم ہیں۔ میں مزدوروں سے کہنا چاہتا ہوں کہ ذرا تحمل سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کام لیں۔ ہم قوم کے وسیلوں کو آپ کے لیے وقف کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے کیونکہ آپ ہی دولت کے اصل سرچشمہ ہیں، آپ کو کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے"۔

لیکن حقیقت میں مزدوروں کے ساتھ انھوں نے جو کچھ کیا وہ ایک مختلف کہانی ہے، اس طرح کے اخباروں کے سرسری جائزے سے محنت کش طبقے کے خلاف بھٹو حکومت، سوشلزم ہماری معیشت والے منشور کے ظلم وستم اور ان کے خوف وہراس کی داستان سامنے آجاتی ہے۔ اس کی ایک واضح مثال جون ۱۹۷۲ء میں کراچی کے ایک صنعتی ادارے میں فائرنگ کا وہ واقعہ ہے جس میں بارہ آدمی مارے گئے تھے۔ ان لوگوں کا قصور کیا تھا؟ سوائے اس کے کہ وہ اجرتوں کے ساتھ ساتھ منافع میں سے ڈھائی فیصد حصے کا مطالبہ کر رہے تھے جس کے وہ مسٹر بھٹو کی لیبر پالیسی کے مطابق قانونی حقدار تھے۔ یہ احتجاج گرفتاریوں اور فائرنگ کی علامت تھا۔

بھاری تعداد میں دوسرے صنعتی علاقوں سے لائے جانے والے سرکش مزدوروں کی وجہ سے اشتعال انگیزی پھیل گئی اور پولیس کو انھیں منتشر کرنے کے لیے گولی چلانی پڑی۔ ڈپٹی کمشنر کے مطابق ہجوم میں سے کسی نے پستول سے گولی چلائی۔ اس کے جواب میں پولیس نے بھی گولی چلادی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ڈپٹی کمشنر نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اس وقت موقع پر نہ تو ڈیوٹی مجسٹریٹ موجود تھا اور نہ ہی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور فائرنگ کا حکم دو قدرے جونیئر پولیس افسروں، ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ آف پولیس اور اسٹیشن ہاؤس افسر نے دیا تھا۔ یہ قانون کی واضح اور سنگین خلاف ورزی تھی، جو پولیس کو صرف مجسٹریٹ کے حکم پر ہی گولی چلانے کی اجازت دیتا ہے۔ اس نے یہ بھی تسلیم کیا کہ قواعد کے برعکس پولیس نے کارکنوں کو مائکروفون پر کوئی وارننگ نہیں دی۔

دوسری طرف سپرلیڈروں نے دعویٰ کیا کہ یہ فائرنگ یونین کی قانونی اور پرامن سرگرمی کو سبوتاژ کرنے کے منصوبہ کا حصہ تھی۔ اس سے قبل لاہور، راولپنڈی، کوٹری اور حیدرآباد میں پولیس کارروائیوں کا حوالہ دیتے ہوئے انھوں نے الزام لگایا کہ ملک میں مزدوروں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحریک کو کچلنے کی سازش کی گئی تھی۔ انہوں نے اس بات سے انکار کیا کہ کراچی کے جلسے میں کسی کارکن نے پستول سے فائرنگ کی تھی۔ کارکنوں کی طرف سے اس بات پر بھی زور دیا گیا کہ انتظامیہ نے ایک تو اجرتوں کے ساتھ منافع کا واجب الادا حصہ ادا کرنے کے بارے میں ان کا مطالبہ مسترد کر دیا تھا اور دوسری طرف تالہ بندی کا اعلان کر دیا تھا اور نوٹس بورڈ پر اس سلسلہ میں نوٹس چسپاں کر دیا تھا۔ لیکن مزدوروں نے فیکٹری کی حدود سے نکلنے سے انکار کر دیا تھا اور اپنے مطالبہ پر اصرار کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ پولیس نے فائرنگ کے بعد تمام لاشیں وہاں سے ہٹا لیں۔

سرکاری اعلان کے مطابق تین مزدور ہلاک اور دو زخمی ہوئے تھے۔

ہلاک ہونے والوں کی صحیح تعداد کچھ بھی ہو اگلے دن اس تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ اس روز ایک مزدور کے جنازے کے جلوس پر پولیس کی فائرنگ سے مزید دس افراد جن میں بیشتر مزدور تھے ہلاک ہو گئے۔ وہ مزدور جس کا جنازہ لے جایا جا رہا تھا، ایک دن پہلے ہلاک ہوا تھا۔ جلوس بڑی سڑک پر جا رہا تھا۔ پولیس نے اس کا راستہ روک دیا۔ اس پر تصادم ہو گیا اور پولیس کو فائرنگ کرنی پڑی۔ ہلاک ہونے والوں میں نو ماہ کا ایک بچہ اور اس کی ماں بھی شامل تھی۔ وہ دونوں اپنے گھر میں تھے کہ ایک گولی گھر کی کمزور دیوار سے پار ہو کر ان کی زندگی ختم کر گئی۔

اس روز شام کو حکومت کی طرف سے جو پریس نوٹ جاری ہوا اس میں دعویٰ کیا گیا کہ مزدوروں نے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۴۴ کے تحت اجتماعات، جلوسوں اور مظاہروں پر لگائی ہوئی پابندی کی خلاف ورزی کی تھی۔ پریس نوٹ میں خبردار کیا گیا تھا کہ آئندہ ان پابندیوں کی خلاف ورزی برداشت نہیں کی جائے گی۔

تاہم اگلی ہی صبح کو مقامی انتظامیہ کے ایک ترجمان نے یہ اعتراف کر لیا کہ جس جگہ پولیس نے فائرنگ کی وہ اس علاقے میں شامل نہیں تھی جہاں دفعہ ۱۴۴ نافذ تھی۔ ترجمان نے یہ بھی کہا کہ جو لوگ فائرنگ کا نشانہ بنے ان کے سر یا سینے میں گولیاں لگیں۔ پاؤں میں گولیاں نہیں لگیں کیونکہ پولیس کے کچھ آدمی اونچائی پر تھے اور آس پاس کی دکانیں اور مکان نشیب میں تھے۔

سرکاری پریس نوٹ میں الزام لگایا گیا تھا کہ جب پولیس نے چیکنگ کی تو جنازے کا جلوس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر طرح کے مہلک ہتھیاروں اور پھینک کر مارنے والی اشیاء سے مسلح تھا۔ مقامی انتظامیہ کے ترجمان نے بتایا کہ پولیس نے اس علاقے سے کوئی آتشیں اسلحہ برآمد نہیں کیا۔

اس سانحہ کے بعد مزدوروں کی ہڑتال دس دن جاری رہی۔ پاکستان کی تاریخ میں یہ طویل ترین ہڑتالوں میں سے تھی جو محنت کش طبقہ نے کی تھی اور وہ عظیم شہر کراچی میں کثیر تعداد میں موجود ہیں۔

(ڈان کراچی۔ ۸۔ ۱۱ جون ۱۹۷۲ء)

اس واقعہ کے علاوہ بھی صنعتی مزدوروں کو مسٹر زیڈ اے بھٹو کے پورے "سوشلزم ہماری معیشت" کے دور میں مسلسل نقصان اٹھانا پڑا۔ مزدوروں پر لاٹھی چارج، آنسو گیس اور فائرنگ کی گئی، جس کے نتیجہ میں بے شمار مزدور ہلاک اور زخمی ہوئے ۱۹۷۲ء میں ۱۵۔ ۱۹۷۳ء میں ۲۶ اور ۱۹۷۴ء میں ۳۲ حملے کیے گئے۔ اس سے اس رجحان کا ثبوت ملتا ہے جو اس کے بعد کے اڑھائی برس تک قائم رہا۔ یہ تھا نقشہ سوشلزم ہماری معیشت کے نعرے کا مگر اس کے برعکس

اسلام کا مستقل تقاضا اسلام کا مستقل تقاضا یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں اخلاقی اصولوں کی پابندی کی جائے۔ اس لیے وہ اپنی ریاست کے لیے بھی یہ قطعی پالیسی متعین کر دیتا ہے کہ اس کی سیاست بے لاگ انصاف، بے لوث سچائی اور کھری ایمانداری پر قائم ہو۔ وہ ملکی، یا انتظامی، یا قومی مصلحتوں کی خاطر جھوٹ، فریب اور بے انصافی کو کسی حال میں گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ملک کے اندر راعی اور رعایا کے باہمی تعلقات ہوں یا ملک کے باہر دوسری قوموں کے ساتھ تعلقات، دونوں میں وہ صداقت، دیانت اور انصاف کو اغراض و مصالح پر مقدم رکھنا چاہتا ہے۔ مسلمان افراد کی طرح مسلم ریاست پر بھی وہ یہ پابندی عائد کرتا ہے کہ عہد کرو تو اسے وفا کرو۔ لینے اور دینے کے پیمانے یکساں رکھو، جو کچھ کہتے ہو وہی کرو اور جو کچھ کرتے ہو وہی کہو، اپنے حق کے ساتھ اپنے فرض کو بھی یاد رکھو اور دوسرے کے فرض کے ساتھ اس کے حق کو بھی نہ بھولو۔ طاقت کو ظلم کے بجائے انصاف کے قیام کا ذریعہ بناؤ، حق کو بہر حال حق سمجھو اور اسے ادا کرو، اقتدار کو خدا کی امانت سمجھو اور اس یقین کے ساتھ اسے استعمال کرو کہ اس امانت کا پورا حساب تمہیں اپنے خدا کو دینا ہے۔

اسلامی ریاست اگرچہ زمین کے کسی خاص خطے ہی میں قائم ہوتی ہے، مگر وہ نہ انسانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقوق کو ایک جغرافیائی حد میں محدود رکھتی ہے اور نہ شہریت کے حقوق کو جہاں تک انسانیت کا تعلق ہے، اسلام ہر انسان کے لیے چند بنیادی حقوق مقرر کرتا ہے اور ہر حال میں ان کے احترام کا حکم دیتا ہے۔ خواہ وہ انسان اسلامی ریاست کے حدود میں رہتا ہو یا اس سے باہر، خواہ دوست ہو یا دشمن، خواہ صلح رکھتا ہو یا برسرِ جنگ انسانی خون ہر حالت میں محترم ہے اور حق کے بغیر اسے نہیں بہایا جا سکتا۔ عورت، بچے، بڈھے بیمار اور زخمی پر دست درازی کرنا کسی حال میں جائز نہیں۔ عورت کی عصمت بہر حال احترام کی مستحق ہے اور اسے بے آبرو نہیں کیا جا سکتا۔ بھوکا آدمی روٹی کا، ننگا آدمی کپڑے کا اور زخمی یا بیمار آدمی علاج اور تیمار داری کا بہر حال مستحق ہے خواہ وہ دشمن قوم ہی سے تعلق رکھتا ہو۔ یہ اور ایسے ہی چند دوسرے حقوق اسلام نے انسان کو بحیثیت انسان ہونے کے عطا کیے ہیں اور اسلامی ریاست کے دستور میں ان کو بنیادی حقوق کی جگہ حاصل ہے۔

اسلامی ریاست کا مقصد قرآن میں صاف طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ان بھلائیوں کو قائم کرے، فروغ دے اور پروان چڑھائے جن سے خداوندِ عالم انسانی زندگی کو آراستہ دیکھنا چاہتا ہے اور ان برائیوں کو روکے، دبائے اور مٹائے جن کا وجود انسانی زندگی میں خداوندِ عالم کو پسند نہیں ہے۔ اسلام میں ریاست کا مقصد نہ محض انتظامِ ملکی ہے اور نہ یہ کہ وہ کسی خاص قوم کی اجتماعی خواہشات کو پورا کرے۔ اس کے بجائے اسلام اس کے سامنے ایک بلند نصب العین رکھ دیتا ہے جس کے حصول میں اس کو اپنے تمام وسائل و ذرائع اور اپنی تمام طاقتیں صرف کرنی چاہییں اور وہ یہ ہے کہ خدا اپنی زمین میں اور اپنے بندوں کی زندگی میں جو پاکیزگی، جو حسن، جو خیر و صلاح، جو ترقی و فلاح دیکھنا چاہتا ہے وہ رونما ہو اور بگاڑ کی ان تمام صورتوں کا سدِ باب ہو جو خدا کے نزدیک اس کی زمین کو اجاڑنے والی اور اس کے بندوں کی زندگی کو خراب کرنے والی ہیں۔ اس نصب العین کو پیش کرنے کے ساتھ اسلام ہمارے سامنے خیر و شر دونوں کی ایک واضح تصویر رکھتا ہے جس میں مطلوبہ بھلائیوں اور ناپسندیدہ برائیوں کو صاف صاف نمایاں کر دیا گیا ہے۔ اس تصویر کو نگاہ میں رکھ کر ہر زمانے اور ہر ماحول میں اسلامی ریاست اپنا اصلاحی پروگرام بنا سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام میں عظمت محنت

اسلام کے شرعی احکام یہ ہیں کہ جو شخص براہ راست قدرت کے خزانے میں سے کوئی چیز لے اور اپنی محنت و قابلیت سے اس کو کارآمد بنائے وہ اس چیز کا مالک ہے۔ مثلاً کسی افتادہ زمین کو جس پر کسی کے حقوق ملکیت نہ ہوں، اگر کوئی شخص اپنے قبضے میں لے لے اور کسی مفید کام میں اسے استعمال کرنا شروع کر دے تو اس کو بے دخل نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی نظریے کے مطابق دنیا میں تمام مالکانہ حقوق کی ابتدا اس طرح ہوئی ہے۔ پہلے پہل جب زمین پر انسانی آبادی شروع ہوئی تو سب چیزیں سب انسانوں کے لیے مباحِ عام تھیں۔ پھر جس جس شخص نے جس مباح چیز کو اپنے قبضے میں لے کر کسی طور پر کارآمد بنا لیا وہ اس کا مالک ہو گیا، یعنی اسے یہ حق حاصل ہو گیا کہ اس کا استعمال اپنے لیے مخصوص کر لے اور دوسرے اسے استعمال کرنا چاہیں تو ان سے اس کا معاوضہ لے۔ خدا نے اپنی نعمتوں کی تقسیم میں مساوات ملحوظ نہیں رکھی ہے بلکہ اپنی حکمت کی بنا پر بعض انسانوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ حسن، خوش آوازی، تندرستی، جسمانی طاقتیں، دماغی قابلیتیں، پیدائشی ماحول، اور اسی طرح کی دوسری چیزیں سب انسانوں کو یکساں نہیں ملیں۔ ایسا ہی معاملہ رزق کا بھی ہے۔ خدا کی بنائی ہوئی فطرت خود اس بات کی متقاضی ہے کہ انسانوں کے درمیان رزق میں تفاوت ہو۔ لہٰذا وہ تمام تدبیریں اسلامی نقطۂ نظر سے مقصد اور اصول میں غلط ہیں جو انسانوں کے درمیان ایک مصنوعی معاشی مساوات قائم کرنے کے لیے اختیار کی جائیں۔ اسلام جس مساوات کا قائل ہے وہ رزق میں مساوات نہیں بلکہ حصولِ رزق کی جدوجہد کے مواقع میں مساوات ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ سوسائٹی میں ایسی قانونی اور رواجی رکاوٹیں باقی نہ رہیں جن کی بنا پر کوئی شخص اپنی قوت و استعداد کے مطابق معاشی جدوجہد نہ کر سکتا ہو اور ایسے امتیازات بھی قائم نہ رہیں جو بعض طبقوں، نسلوں اور خاندانوں کی پیدائشی خوش نصیبی کو مستقل قانونی تحفظات میں تبدیل کر دیتے ہوں۔ یہ دونوں طریقے فطری نامساوات کی جگہ زبردستی ایک مصنوعی نامساوات قائم کرتے ہیں۔ اس لیے اسلام انہیں مٹا کر سوسائٹی کے معاشی نظام کو ایسی فطری حالت پر لانا چاہتا ہے جس میں ہر شخص کے لیے کوشش کے مواقع کھلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوں ۔ مگر جو لوگ چاہتے ہیں کہ کوشش کے ذرائع اور نتائج میں بھی سب لوگوں کو زبردستی برابر کر دیا جائے، اسلام ان سے متفق نہیں ہے ۔ کیونکہ وہ فطری نامساوات کو مصنوعی مساوات میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں ۔ فطرت سے قریب تر نظام صرف وہی ہو سکتا ہے جس میں ہر شخص معیشت کے میدان میں اپنی دوڑ کی ابتدا اسی مقام اور اسی حالت سے کرے جس پر خدا نے اسے پیدا کیا ہے ۔ جو موٹر لیے ہوئے آیا ہے وہ موٹر ہی پر چلے، جو صرف دو پاؤں لایا ہے وہ پیدل ہی چلے ۔ اور جو لنگڑا پیدا ہوا ہے وہ لنگڑا کر ہی چلنا شروع کر دے ۔ سوسائٹی کا قانون نہ تو ایسا ہونا چاہیے کہ وہ موٹر والے کا مستقل اجارہ موٹر پر قائم کر دے اور لنگڑے کے لیے موٹر کا حصول ناممکن بنا دے اور نہ ایسا ہی ہونا چاہیے کہ سب کی دوڑ زبردستی ایک ہی مقام اور ایک ہی حالت سے شروع ہو اور آگے تک انہیں لازماً ایک دوسرے کے ساتھ باندھ رکھا جائے ۔ برعکس اس کے قوانین ایسے ہونے چاہیں جن میں اس امر کا کھلا امکان موجود رہے کہ جس نے اپنی دوڑ لنگڑا کر شروع کی تھی وہ اپنی محنت و قابلیت سے موٹر پا سکتا ہو ضرور پائے اور جو ابتدا میں موٹر پر چلا تھا وہ بعد میں اپنی نااہلی سے لنگڑا ہو کر رہ جائے تو رہ جائے ۔

اسلام صرف اتنا ہی نہیں چاہتا کہ اجتماعی زندگی میں یہ معاشی دوڑ کھلی اور بے لاگ ہو بلکہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس میدان میں دوڑنے والے ایک دوسرے کے لیے بے رحم اور بے درد نہ ہوں بلکہ ہمدرد اور مددگار ہوں ۔ وہ ایک طرف اپنی اخلاقی تعلیم سے لوگوں میں یہ ذہنیت پیدا کرتا ہے کہ اپنے درماندہ اور پسماندہ بھائیوں کو سہارا دیں ۔ دوسری طرف وہ تقاضا کرتا ہے کہ سوسائٹی میں ایک مستقل ادارہ ایسا موجود رہے جو معذور اور بے وسیلہ لوگوں کی مدد کا ضامن ہو ۔ جو لوگ معاشی دوڑ میں حصہ لینے کے قابل نہ ہوں وہ اس ادارے سے اپنا حصہ پائیں ۔ جو لوگ اتفاقاتِ زمانہ سے اس دوڑ میں گر پڑے ہوں انہیں یہ ادارہ اٹھا کر پھر چلنے کے قابل بنائے اور جن لوگوں کو جدوجہد کے میدان میں اترنے کے لیے سہارے کی ضرورت ہو انہیں اس ادارے سے سہارا ملے ۔ اس مقصد کے لیے اسلام نے از روئے قانون یہ طے کیا ہے کہ ملک کی تمام جمع شدہ دولت پر ڈھائی فیصد سالانہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس طرح پورے تجارتی سرمائے پر بھی ڈھائی فیصدی سالانہ زکوٰۃ وصول کی جائے علاوہ ازیں عشر جمع کیا جائے اور یہ تمام سرمایہ غریبوں، یتیموں اور محتاجوں کی مدد کے لیے استعمال کیا جائے ۔ یہ ایک اجتماعی انشورنس ہے جس کی موجودگی میں اسلامی سوسائٹی کے اندر کوئی شخص زندگی کی ناگزیر ضروریات سے کبھی محروم نہیں رہ سکتا۔ کوئی محنت کش آدمی کبھی اتنا مجبور نہیں ہو سکتا کہ فاقے کے ڈر سے خدمت کی وہی شرائط منظور کرے جو کارخانہ دار یا زمیندار پیش کر رہا ہو۔ کسی شخص کی طاقت اس کم سے کم معیار سے کبھی نیچے نہیں گر سکتی جو معاشی جدوجہد میں حصّہ لینے کے لیے ضروری ہے ۔

فرد اور جماعت کے درمیان اسلام ایسا توازن قائم کرنا چاہتا ہے جس میں فرد کی شخصیت اور اس کی آزادی بھی برقرار رہے اور اجتماعی مفاد کے لیے اس کی آزادی نقصان دہ بھی نہ ہو، بلکہ لازمی طور پر مفید ہو۔ اسلام کسی ایسی سیاسی یا معاشی تنظیم کو پسند نہیں کرتا جو فرد کو جماعت میں گم کر دے اور اس کے لیے وہ آزادی باقی نہ چھوڑے جو اس کی شخصیت کے صحیح نشو ونما کے لیے ضروری ہے ۔ کسی ملک کے تمام ذرائع پیداوار کو قومی ملکیت بنا دینے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ملک کے تمام افراد اجتماعی شکنجہ میں جکڑ جائیں ۔ اس حالت میں ان کی انفرادیت کی بقا و ارتقا سخت مشکل بلکہ غیر ممکن ہے ۔ انفرادیت کے لیے جس طرح سیاسی اور معاشرتی آزادی ضروری ہے اسی طرح معاشی آزادی بھی بہت بڑی حد تک ضروری ہے ۔ اگر ہم آدمیت کا بالکل استیصال نہیں کر دینا چاہتے تو ہماری اجتماعی زندگی میں اتنی گنجائش ضرور رہنی چاہیے کہ ایک بندۂ خدا اپنی روزی آزادانہ پیدا کر کے اپنے ضمیر کا استقلال برقرار رکھ سکے اور اپنی ذہنی و اخلاقی قوتوں کو اپنے رجحانات کے مطابق نشو ونما دے سکے ۔ راتب بندی کا رزق، جس کی کنجیاں دوسروں کے ہاتھ میں ہوں، اگر فراواں بھی ہو تو خوشگوار نہیں، کیونکہ اس سے پرواز میں جو کوتاہی آتی ہے محض جسم کی فربہی اس کی تلافی نہیں کر سکتی

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

علامہ اقبال
بالِ جبریل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرمایہ کاروں اور محنت کشوں کے حقوق و فرائض

اسلامی حکومت میں مختلف شعبوں میں سرمایہ کاری حکومت ہی کی طرف سے ہوتی ہے یوں اسے بھی سرمایہ کار کہہ سکتے ہیں اور سرکاری ملازمین و عہدیدار محنت کشوں کے طبقے میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔ اسلامی ریاست و حکومت میں کارکنان حکومت اور سرکاری ملازمین و عہدیداروں کے فرائض و واجبات اور اوصاف و آداب معلوم کرنے کے لیے جب ہم اسلامی لٹریچر کی ورق گردانی کرتے ہیں، تو اس بارے میں ہمیں معلومات کا اس قدر وسیع اور تفصیلی ذخیرہ دستیاب ہوتا ہے کہ اس مسئلے کا کوئی گوشہ ایسا باقی نہیں رہتا جس میں صاحب تحقیق تشنگی محسوس کر سکے۔ البتہ یہ ذخیرہ یکجا اور مرتب شکل میں نہیں ہے۔ اس لیے اس میدان میں تحقیق و طلب کے لیے اترنے والے کو مختلف کتابوں کی ورق گردانی اور مختلف گلستانوں سے گل چینی کرنی پڑتی ہے۔ یہ ذخیرہ اپنے دامن میں صحت مند اور مستحکم و مربوط نظامِ حکومت کے ایسے حکیمانہ اور مصلحت آمیز عجائب و نوادر رکھتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں جدید ترقی یافتہ ادارہ ہائے حکومت ناقص اور نارسا معلوم ہوتے ہیں۔ جب ہم اسلامی نظام کے قیام کا مطالبہ کرتے ہیں تو اس مطالبے کے ساتھ ہمیں یہ فکر بھی دامن گیر ہوتی ہے کہ اسلام کے سروس سسٹم، تنظیم امور محنت کشاں اور حکومت کے نظم و نسق کے محاسن و امتیازات سے بھی عوام الناس کو روشناس کرائیں، تاکہ انہیں، غیر اسلامی نظامِ حکمرانی اور اسلامی نظامِ حکومت میں تقابل کرنے میں آسانی رہے۔

سرمایہ و محنت کے مسئلے کا ایک اہم اور دلچسپ پہلو بھی ہے جس کا ذکر یہاں ہونا چاہیے۔ یہ پہلو اہم ہے کہ اس مسئلے کے وہ گوشے ابھر کر سامنے آتے ہیں جو ہنوز نیم تاریک یا نیم روشن ہیں اور دلچسپ ہے کہ علم اور روشنی کے اس زمانے میں شاید ہی کوئی یہ باور کرنے کے لیے تیار ہو کہ آج سے صدیوں پہلے ایک نیم مہذب سرزمین میں کسی مسئلے سے متعلق، جس کا اس وقت وجود نہ تھا، کوئی نازک اور لطیف نکتہ پیدا کیا گیا ہوگا۔ وہ پہلو یہ ہے کہ ان معانی کے علاوہ جو مختلف فنی حوالوں سے بیان ہوئے، جدید معاشیات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں لفظ (LABOUR) عام مزدور نے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے اور مزدور سے جیسا کہ لغات عمرانیات (Dictionary of Sociology) میں ہے، مراد ہے محنتی (wage Labour) یعنی وہ شخص جسے عام ماہرانہ یا غیر ماہرانہ کام یا خدمت کے صلے میں کوئی معاوضہ (wage) دے کر رخصت کر دیا جائے

عربی میں محنتی کو اجیر (اجرت پانے والا) کہتے ہیں۔ "کاسب" اور "اجیر" دونوں پر "لیبر" کا اطلاق ہوا ہے۔ آج "کاسب" اور "اجیر" میں فرق نہیں کیا جاتا اور گوناگوں ترقیوں اور روشن سامانیوں کے باوجود کاسب کو اجیر کی صف میں رکھ کر اجیر کی طرح حقیر معاوضے یعنی مزدوری کا مستحق ٹھہرایا جاتا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اسلام نے کاسب کو اجیر کی صف میں نہیں رکھا اور اجیر اور کاسب میں فرق کیا ہے۔ اجرت پانے والا اسلام میں اجیر ہے اور کمانے والا کاسب، جو شاید اس لیے اجیر سے زیادہ استحقاق رکھتا ہے کہ وہ تحصیل یا تخلیق کرتا ہے۔ ویسے تو اجیر بھی محنت کرتا ہے اور کاسب بھی۔ اس حیثیت سے تو دونوں ہی محنت کش اور لغت کی حد تک محنتی ہیں۔ لیکن بغور دیکھنے سے دونوں کی محنتوں میں یا محنتوں کے نتیجوں میں ہمیں فرق نظر آتا ہے۔ اجیر صنّاع یعنی صورت گر ہے اور کاسب خلاق۔ اجیر کا کام تشکیل و تصویر ہے اور کاسب کا تخلیق یا تعمیر۔ ایک طرف لوہار، معمار، نجار ہیں جو کسی مادے مثلاً لوہے، لکڑی یا تعمیری مسالے کو شکل دے کر عام ضروریات یا آسائش کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ دوسری طرف مزارع، مل مزدور، اور بیوپاری ہیں جو روزی یا روزگار پیدا کرتے ہیں۔ مزارع اصلی صورت میں روزی پیدا کرتا ہے اور مل مزدور یا بیوپاری بدل کی صورت میں۔ لیکن یہ طے ہے کہ عام ضرورت یا سامان آسائش کی یہ فراہمی نہیں کرتے، اسباب خورد و نوش کی فراہمی کرتے ہیں۔ اسلامی فکر کی رو سے جس کی محنت محض روزی کے لیے ہے وہ اجیر ہے اور جس کی محنت روزی یا روزگار کی تخلیق کے لیے وہ کاسب ہے۔ "اجیر" سے کام لینے والا مستاجر کہلاتا ہے۔ کاسب سے کام لینے والا زمیندار یا سرمایہ دار۔

قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی داستان حیات کے ضمن میں بڑی ہی خوبصورتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے اجرت اور اجیر کے معنوں کی طرف لطیف سے اشارے کئے ہیں۔ موسیٰ علیہ السّلام کی امانت، قوت اور خدمت دیکھ کر ہی حضرت شعیبؑ کی صاحبزادیوں نے اپنے والد بزرگوار سے کہا تھا:

یا ابت استاجرہ، ان خیر من استاجرت القوی الامین
(القرآن)

ابا جان! اس صالح نوجوان سے اجرت پر کام لیجیئے نا۔ بہتر اجیر وہی ہو سکتا ہے جو قوی بھی ہو اور امین بھی۔ اس ابتدائی سادہ معاشرے میں موسیٰ علیہ السّلام کی ہشت سالہ خدمت کی اجرت اس کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی کہ حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی کو ان کے حبالۂ نکاح میں دے دیا جائے۔

انی ارید ان انکحك احدی ابنتی ھاتین علی ان تاجرنی
ثمانی حجج (القرآن)

آٹھ سال لگاتار اجیر کی حیثیت سے تم نے میرے پاس کام کیا تو اس کے عوض میں اپنی ان دو لڑکیوں میں سے ایک کو میں تم سے بیاہ دوں گا۔

جان لوذن کا قول ہے کہ پہلا آدمی جس نے کہا "یہ چیز میری ہے اور یہ چیز تیری ہے" انسانی معاشرے کا خالق تھا۔

اس رزمگاہِ ہستی میں جب ایک آدمی طاقت ور ہوا اور دوسرا کمزور تو اسی دن امارت و غربت اور آجر اور مزدور کا دور شروع ہو تا قانونِ قدرت ہے کہ کسی نے بلند ہونا ہے اور کسی نے کم تر، فطرت میں مساوات قطعی نہیں ہے۔ لیکن انسانی تاریخ میں آجر اور مزدور کے تعلقات اتنے کشیدہ نہیں رہے جتنے آج ہیں۔ ماضی کے ادوار میں ایک انتہا تھی جس میں سرمایہ ہی سب کچھ تھا۔ حالات کی مجبوریوں میں مزدور پستا رہا۔ تا آنکہ کارل مارکس اور دوسرے مفکرین نے نیا نظریہ پیش کیا۔ جس میں سرمایہ کی اہمیت کو بالکل نظر انداز کر کے مزدور کو ساری اہمیت دے دی گئی۔ قانونِ فطرت کو افراط اور تفریط کی دونوں صورتوں میں مکمل طور پر نظر انداز کیا گیا لیکن اسلام نے ایک ایسا حل پیش کیا، جو دونوں انتہائیوں میں توازن قائم کرتا ہے۔ تمام معاشرتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسائل کا حل دیتے ہوئے۔ اسلام قانون فطرت کو سامنے رکھتا ہے۔ انسانی تاریخ میں جہاں کہیں افراط و تفریط ہو گئی ہے اور لوگ اس قانونِ قدرت سے ہٹ گئے ہیں، اس افراط و تفریط کی کانٹ چھانٹ کر کے اسلام معاشرے کو اصل اصول کی طرف راغب کرتا ہے۔ معاشی مسئلہ جس کا ایک ضمنی مسئلہ آجر اور مزدور کے تعلقات ہیں۔ اسلام نے افراط و تفریط کو چھوڑ کر ایک متوازن نظام پیش کیا ہے جو عین تقاضائے فطرت ہے۔

اسلام نہ تو یہ کہتا ہے کہ دولت کی قطعی مساوی تقسیم کر دی جائے۔ کیونکہ قطعی مساوات کا تصوّر کارخانۂ فطرت میں کارفرما نہیں ہے اور نہ ہی اس سے کوئی نظام چل سکتا ہے کمیونسٹ ممالک میں معاشرتی اور سیاسی درجہ بندی موجود ہے۔ بہر حال کسی نہ کسی کو حکومت چلانا ہے اور کسی نہ کسی کو محکوم ہونا ہے۔ اسی طرح کسی نے منصوبہ بندی کرنی ہے اور کسی نے اس پر عمل کرانا ہے اور کسی نے اس پر عمل کرنا ہے۔ عمل کرانے والا بہر حال عمل کرنے والے سے برتر ہو گا تو کام چلے گا۔

اسلام یہ بھی نہیں کہتا کہ سرمایہ دار کو کھلی چھٹی ہے۔ جو جی چاہے کرے۔ اصول عدم مداخلت نظامِ اسلامی میں ممکن نہیں اگر سرمایہ دار کو کھلی چھٹی دی جائے گی، تو اس کا نتیجہ سرمایہ دار کی تجوری کشادہ کرنے اور مزدور کی فاقہ کشی نکلے گا۔

اسلام اس قانونِ فطرت سے شروع ہوتا ہے کہ دولت کی زیادتی اور کمی منشائے قدرت ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ

(الرعد: ۲۶)

"اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے رزق کی فراخی دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تُلا رزق دیتا ہے۔ یہ لوگ دُنیوی زندگی میں مگن ہیں۔ حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں ایک متاعِ قلیل کے سوا کچھ بھی نہیں"

اس کا مطلب یہ نہیں کہ حصولِ رزق کا جدوجہد سے تعلق نہیں۔ محنت اور جدوجہد پر ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روحانی اور مادی ترقی کا انحصار ہے۔ جس طرح قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے: لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی پھر رزق کی کمی یا بیشی انسان کے کردار کی کسوٹی نہیں ہے بلکہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ یعنی اصل یہ کہ یہ کہ دولت کے ہوتے ہوئے یا نہ ہوئے کس نے فکر و عمل کی صحیح راہ اختیار کی اور کس نے غلط۔

اس کے بعد اسلام سرمایہ کے حصول اور استعمال پر چند پابندیاں عائد کرتا ہے۔ ان پابندیوں میں حلال ذرائع سے دولت کمانا، حلال ذرائع پر صرف کرنا، بخل اور اکتناز کی ممانعت، زر پرستی اور حرص مال کی مذمت بے جا خرچ کی مذمت، مختلف گناہوں کے مالی کفارے، لازمی زکوٰۃ و عشر، تقسیم میراث، مزدور کو مناسب اور بروقت مزدوری دینا شامل ہیں۔ ان سب پابندیوں کے ہوتے ہوئے معاشرہ میں معاشی ظلم اور استحصال کا سدباب ہوگا اور منتفعین اور محرومین کا تصور ختم ہو جائے گا۔

اسلامی نظام کا طرۂ امتیاز مساوات نہیں۔ بلکہ حصول رزق کی جد و جہد کے مواقع میں مساوات ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ سوسائٹی میں ایسی قانونی اور رواجی رکاوٹیں باقی نہ رہیں جن کی بنا پر کوئی شخص اپنی قوت اور استعداد کے مطابق معاشی جد و جہد نہ کر سکتا ہو اور ایسے امتیازات بھی باقی نہ رہیں جو بعض طبقوں، نسلوں اور خاندانوں کی پیدائشی خوش نصیبی کو مستقل قانونی تحفظات میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ یہ دونوں طریقے فطری عدم مساوات کی جگہ ایک مصنوعی عدم مساوات قائم کرتے ہیں۔ اسی زمرہ میں مزدور کے حقوق کا بھی تحفظ کیا گیا ہے۔

کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ۔ (الحشر:۷)

"یہ اس لیے ہے کہ مال دولت مندوں کے درمیان گردش نہ کرتا رہے"

اس آیت میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ مال اس کے حقداران کو دیا جاتا ہے۔

مزدور و محنت کش کی قدر و منزلت

کم و بیش تمام انبیاء کرام ؑ نے افلاس میں پرورش پائی اور مزدوری کو ذریعہ معاش بنایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آٹھ سال تک مزدوری پر بکریاں چرائیں جس کا بیان سورۃ قصص آیت ۲ میں گذر چکا ہے حضرت داؤد علیہ السّلام اپنے ہاتھ کے ہنر سے بسر اوقات کرتے تھے جس کا ذکر بخاری و مشکوٰۃ کتاب البیوع میں ہے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جنگل اور پہاڑوں میں طویل عرصہ اجرت پر بکریاں چراتے رہے ۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف جلد دوم ص ۱۱۶ ۔

محنت کشی کی پیغمبرانہ سنّت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکدّر ماحول سے بچا کر فطرت ابراہیمی کے مطابق ڈھال دیا ۔ غربا اور محنت کشوں کی ہر دور میں اکثریت رہی ہے انبیاء کرامؑ خصوصاً رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اکثریت والی آبادی کے سامنے دیانتداری اور محنت و جفاکشی کا بھرپور مظاہرہ کیا ۔ تاکہ اس وقت کے بعد آنے والی نسلوں کے محنت کشوں کو یہ شرفِ انسانیت حاصل رہے کہ وہ انبیاءؑ کے ہم پیشہ ہیں اور انھیں احساس رہے کہ محنت و مزدوری ہیں عظمت ہے اور یہ باعث فلاح دنیا و آخرت ہے ۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محنت کا احترام سکھایا ۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں ۔ صحابہ کے استفسار پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ۔ میں بھی مکہ والوں کی بکریاں چند قیراط کی اجرت پر چرایا کرتا تھا ۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف کتاب البیوع ۔ باب فی الاجارۃ ج ۳ ص ۱۱۶ اور محنت کش کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نگاہ میں کیا مقام تھا ۔ وہ اس واقعہ سے ظاہر ہے ۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ایک صحابی کے ہاتھ میں مزدوری کرنے کی وجہ سے گٹھلیاں پڑ گئی تھیں ۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا :

تِلْكَ يَدٌ يُحِبُّهَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ ؕ

"یہ وہ ہاتھ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو پیارا ہے "

محسنِ انسانیت نے عملی طور پر مزدوری فرما کر مزدوروں کو سر بلند کر دیا اور اسے معاشرہ میں باوقار مقام دیا ۔ مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوئی ، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اینٹیں اور پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے ۔ صحابہ کرامؓ بھی شریک ہو کر یہ شعر پڑھتے تھے ۔

(محمد رسول اللہ ۔ توفیق عبد الحکیم)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نَحْنُ قَعَدْنَا وَالرَّسُوْلُ يَحْمِلُ
لِذَالِكَ الْعَمَلُ الْمُضَلَّلُ

یعنی ہم بیٹھے رہیں اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کام کریں ۔ یہ تو بڑی گمراہی کی بات ہوگی ۔ غزوہ خندق سے قبل خندق کی کھدائی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا ۔ محسن انسانیت کو محنت کی رغبت اور محنت کش سے محبت تھی ۔

محنت کشوں و مزدوروں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشرتی روابط

کسی محنت کش کی دعوت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس قدر مرغوب تھی اور اس کی دلجوئی فرماتے تھے ، وہ اس واقعہ سے ظاہر ہے :

حضرت انس بن مالک رضؓ سے روایت ہے کہ ایک درزی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو کھانے کی دعوت دی ۔ انس رضؓ کا بیان ہے کہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گیا ۔ درزی نے روٹی اور شوربا جس میں کدّو تھا لاکر رکھا ۔ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیالہ کی اطراف سے کدّو ڈھونڈ ڈھونڈ کر کھاتے تھے ۔ ان کا بیان ہے کہ میں اسی روز سے کدّو کو پسند کرنے لگا ۔ (بخاری ۔ کتاب البیوع ۔ باب ذکر الخیاط ص ۲۸۵ جلد ۱)

گویا محنت کش و مزدور کے رزق سے جو پکا وہی محبوب کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بھی مطلوب تھا کہ ان کی اولاد کی نشو و نما محنت کش کے ہاں ہو ۔ مالکِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بچہ ابراہیم رضؓ مدینہ کے لوہار کی بیوی اُمِّ سَیْف کو رضاعت کے لیے سپرد کیا تھا ۔ حضرت انس رضؓ بن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے تو میں بھی ہمراہ رہتا ۔ گھر میں دھواں بھرا ہوتا مگر حضورؐ اندر تشریف لے جاتے کیونکہ ابراہیم رضؓ کی رضاعی والدہ کے شوہر لوہار تھے ؟ (ابن سعد جلد ا صفحہ ۱۳۶)

کمیرا اس ضمن میں اس کی وضاحت بھی کرتا چلوں کہ مزدور کو آج کی زبان میں "کمیرا" یا "کمیں" کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں کام کرنے والا ۔ قرآن مجید میں "سخری" استعمال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوا ہے جو مادہ "سخر" (بمعنی جبر و قہر) سے ماخوذ ہے اور شاید اسی لیے اس کے معنی بیگار یہ کام کرنے والا بنائے جاتے ہیں۔ لیکن "سخری" کے اصل معنی ہیں:

الذی یقہر فیتسخر باارادتہ (مفردات ص ۲۲۶)

جو اپنی ضرورتوں سے مجبور ہو کر اپنی خوشی یا ارادے سے کام میں لگ جائے۔

"سخری" اور "کمیرا" قریب قریب ہم معنی الفاظ ہیں۔ قرآن مجید کے درج ذیل فرمان میں:

ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات ليتخذ بعضهم بعضاً سخريا۔ (القرآن الکریم)

"افراد بشر میں درجاتی اونچ نیچ اس امر کی متقاضی ہے کہ ایک دوسرے سے کام لے"۔ معاشی نشیب و فراز کا ذکر نہیں ہوا ہے۔ قانون تعویض کو پیش کیا گیا ہے۔ آیت کا سیدھا صاف، تاویل سے پاک مطلب یہ ہے کہ انسانی معاشرے کی بنیاد خدمت اور نفع رسانی پہ ہے۔ مختلف صلاحیتوں اور دلچسپیوں کے لحاظ سے معاشرے کے اونچے نیچے درجے رکھے گئے ہیں اور توقع کی گئی ہے کہ معاشرے کا ہر فرد اپنی صلاحیت سے کام لے کر دوسرے کی خدمت کرے اور دوسرے کو نفع پہنچائے۔ درجات اور صلاحیتوں کا اختلاف نہ ہوتا اور سب ایک ہی صلاحیت رکھتے ہوتے تو معاشرہ تشکیل نہ پا سکتا، معاشرہ احتیاج سے ہے اور احتیاج کے لیے صلاحیتوں کا اختلاف ضروری ہے۔ آیت میں صلاحیتوں کے اختلاف اور تنوع کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا تعلق معاشی اونچ نیچ سے نہیں، معاشی لین دین سے ہے اور معاشی لین دین قیام معاشرہ کی اساس ہے:

اسلام میں اس کی اجازت تو ہے کہ ضرورت پوری کرنے لیے اپنے جیسے انسان سے صلاحیت کے مطابق خدمت لے کر اس کو اجرت دے دی جائے۔ قرآن کے بیان کے مطابق حضرت موسیٰؑ سے ان کی امانت اور قوت کے مطابق ہی تو خدمت لی گئی تھی۔ یہ استیجار ہے اور استیجار میں اسلامی تصوّر حیات کی رو سے کوئی قباحت نہیں۔ آپ اسے "سخری"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گرداننا بھی کہہ سکتے ہیں جو فطرت کے مطابق بھی ہے اور زندگی کے بنیادی تقاضوں سے ہم آہنگ بھی۔ لیکن اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، کم از کم میں یہی سمجھتا ہوں کہ سرمایہ کی افزائش کے لیے اپنے جیسے انسان کی خدمات اجرت پہ حاصل کی جائیں اور کاسب سے اجیر کا کام لیا جائے۔ کسب شریف ترین وسیلۂ پیداوار ہے اور شریف ترین وسیلۂ پیداوار کو سرمایہ داری اور دولت داری کا وسیلہ قرار دینا اس کی تحقیر ہی نہیں شرف انسان کی خواری بھی ہے۔ اسلام انسانی شرافت کا علم بردار ہے۔ وہ انسان کی خواری کا روادار نہیں ہو سکتا۔

پاکستانی معاشرے میں ذات برادری و محنت کشوں مزدوروں کے طبقات

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ہمارے معاشرے نے ذات برادری کو اس قدر تقدس کیوں دے دیا ہے کہ جو اس کے اصولوں کی پاسداری نہ کر سکے اس سے قطع تعلق کر لی جاتی ہے اسے برادری سے نکال دیا جاتا ہے، جائیداد سے عاق کر دیا جاتا ہے۔ ایک برادری اپنے آپ کو دوسری سے برتر کیوں سمجھتی ہے اور نہ صرف معاشرتی بلکہ سیاسی فیصلے کرتے وقت بھی لوگ برادری کو اتنی اہمیت کا حامل کیوں قرار دیتے ہیں ان تمام سوالات کا جواب ڈھونڈنے کے لیے ہمیں تاریخ میں جھانکنا ہوگا۔

ایرک فرام نے انسان کی جن پانچ معاشرتی ضرورتوں کا ذکر کیا ہے ان میں ایک شناخت بھی ہے۔ یہ شناخت انسان مختلف طریقوں سے کرواتا ہے جن میں نام سے لے کر خاندان تک شامل ہوتا ہے۔ جب لوگ اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے مختلف پیشے اپنانے پر مجبور ہوئے تو ہر پیشے کو ایک مخصوص نام دیا گیا، یہ پیشے نسل در نسل منتقل ہوتے رہے اور تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ذات پات یا برداری بھی انھیں پیشوں کی وجہ سے وجود میں آئی اور محنت کشوں کے طبقے بنتے چلے گئے کہا جاتا ہے کہ ذات یا برادری کا تعلق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عموماً ایک خون سے ہوتا ہے یہ لوگ آپس میں معاشرتی، معاشی اور سیاسی شعبوں میں تعاون کرتے ہیں۔ ایک جیسی رسوم و رواج کے مالک ہوتے ہیں اور غمی و خوشی میں ایک دوسرے کے ساتھ شامل رہتے ہیں۔

زرعی معاشرہ زرعی معاشرے کی تشکیل، مزاج و نوعیت و ماہیت کی وجہ جاننے کے لیے ہمیں ہندوستانی معاشرے اور اس کی تاریخ کو سامنے رکھنا ہوگا۔ ہمارا معاشرہ دراصل ایک زرعی معاشرہ تھا۔ جس میں زمیندار کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ وہ زمینوں کا مالک تھا، زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار پر ہی لوگوں کی زندگی کا دار و مدار تھا۔ زمیندار جب کسی علاقے کی زمین کو آباد کرنے کا پروگرام بناتے تو انہیں اپنی مدد اور ضرورت کے سامان کی فراہمی کے لیے بہت سے لوگوں کی ضرورت پڑتی تھی جن میں لوہار، نائی، موچی، درزی، کمہار اور میراثی وغیرہ شامل تھے۔ یہ لوگ اپنے اپنے پیشے میں مہارت رکھتے تھے اور زمیندار کو اس کی مطلوبہ چیزیں بنا کر دیتے تھے۔ ذرائع پیداوار و پیدائش کے بڑے عامل یعنی زمین پر چونکہ زمیندار کا قبضہ ہوتا تھا اس لیے یہ لوگ اپنی ضروریات کے لیے اس کے محتاج تھے، جس کی وجہ سے ان لوگوں کو کم حیثیت کا مالک خیال کیا جاتا تھا۔ حالانکہ دیکھا جائے تو پیدائش میں ان کی محنت و مشقت بھی زمیندار کی طرح شامل تھی مگر یہ معاشرے میں اس کے برابر مقام حاصل نہ کر سکے اور ان کی حیثیت صنعت میں کام کرنے والے مزدور کی طرح ہو گئی تھی جس کا قبضہ زمیندار کے ہاتھ میں تھا۔

زرعی معاشرے کا گھناؤنا روپ دیکھنے کے لیے کوئی کسی دیہاتی نائی سے بات کرے تو وہ یہ کہتا ہے کہ ہم نسل در نسل اس پیشے کو اپنائے ہوئے ہیں۔ ہمارے بزرگ یہ کام کیا کرتے تھے۔ ہم نے انہی سے یہ فن سیکھا ہے اور اسے اپنی روزی کے حصول کا ذریعہ بنا لیا وہ کہتا ہے کہ گاؤں میں شہر کی طرح دکان نہیں ہوتی جہاں لوگ حجامت بنوانے کے لیے آئیں اور پیسے دے کر چلے جائیں بلکہ یہاں ہمیں زمینداروں کے گھر گھر جا کر لوگوں کی حجامت بنانا ہوتی ہے۔ اگر ان کے ہاں پہنچنے میں دیر ہو جائے تو گالیاں پڑتی ہیں اور خاص طور پر بڑے چودھریوں کا رویّہ ہتک آمیز ہوتا ہے وہ تو جاتو اٹھانے سے بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دریغ نہیں کرتے ۔ ہمارے بیوی بچے بھی ان کی خدمت کرتے ہیں ۔ ان کے شادی بیاہ اور دوسرے پیغامات مختلف دیہات میں ہم لے کر جاتے ہیں ۔ ان مواقع پر کھانا بھی ہم پکاتے ہیں ۔ کھانا اچھا پک جائے تو تعریف میں کنجوسی نہیں کی جاتی ۔ بصورت دیگر ہماری سات پشتوں کو گالیوں کا انعام ملتا ہے ۔

ہماری تمام آمدنی کا دار و مدار شادی بیاہ، عید، شب برات پر ملنے والی نقد اور فصل تیار ہونے پر ملنے والی اجناس پر ہے ۔ جب اس سے سوال کیا جائے کہ وہ گاؤں چھوڑ کر کیوں نہیں چلا جاتا تو وہ کہتا ہے کہ اس گاؤں کے ساتھ میری بڑی یادیں وابستہ ہیں یہاں میرے بزرگوں کی قبریں ہیں اور پھر میرے پاس اتنا سرمایہ بھی تو نہیں کہ میں شہر جا کر رہائش اختیار کر لوں یا کاروبار کر سکوں ۔ البتہ اب میرے بچے تعلیم حاصل کر کے مختلف محکموں میں ملازم ہو گئے ہیں اور ان کا اصرار ہے کہ ہم شہر منتقل ہو جائیں ۔ اس لیے شاید اس کے بارے میں سوچنا پڑے ۔

گاؤں میں لوہار کی موجودگی ایک لازمی امر ہے جو چارپائی سے لے کر درانتی اور ہل تک سارے اوزار بناتا ہے ۔ مکان کی تعمیر کے وقت اسے مختلف فرائض سونپے جاتے ہیں ۔ اس کی کارگاہِ آہن پر یہ لوگ نہ صرف کام کاج کے سلسلے میں آتے ہیں بلکہ یہ ان کے لیے گپ شپ کا مقام بھی ہوتی ہے ۔

شہروں میں بسنے والے افراد کے لیے یہ بات یقیناً حیرت کا باعث ہو گی کہ ان تمام محنت کش افراد کو جنھیں گاؤں میں "کمی" کے نام سے پکارا جاتا ہے، ان کی رہائش و خوراک سے لے کر ان کے جانوروں کے چارے تک کا انتظام گاؤں کے لوگ مشترکہ طور پر کرتے ہیں ۔ اس وجہ سے چوہدریوں کے بیٹے انھیں اپنے سے کم تر سمجھنے لگتے ہیں ۔ ان کے بزرگ اونچ نیچ کا یہ نظام ان کے ذہنوں میں بٹھا دیتے ہیں اور اس طرح یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا رہتا ہے ۔ وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ سب لوگ برابر نہیں بلکہ وہ برتر ہیں ۔ جب کسی ایک راجپوت سے نسلی برتری کے بارے میں بات کی جائے تو وہ کہتا ہے کہ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ ہم برتر ہیں ۔ آپ ہمارے معاشرے کے رخ سے نقاب الٹ کر یا تاریخ کے اوراق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھ لیجیۓ۔ آپ کو اس بات کا ثبوت ملے گا کہ ہم برتر ہیں۔ آپ اسے غلط سمجھیں یا صحیح لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم اپنی برادری سے باہر شادی نہیں کرتے۔ شاید ان کی بات کسی حد تک درست بھی ہو، کیونکہ ہر قوم اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں پر فخر کرتی ہے اور جب سر ڈینزل کی تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ بہت سی اقوام ایسی ہیں کہ جن کی ابتدا حکمران سے ہوتی ہے تو پھر وہ ان پر فخر کیوں نہ کریں لیکن یہ لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ انسان کی پہچان اس کے نسب سے کم اور کسب سے زیادہ ہوتی ہے۔ ماضی پہ فخر بجا لیکن حال کو نظر انداز کرنا دانائی نہیں۔ لیکن ہمارے ہاں تمام برادریاں ابن خلدون کے نظریۂ عصبیت کے مطابق عمل کرتی ہیں جس کی رو سے وہ اپنے آپ کو بہتر سمجھنے لگتی ہیں اور نتیجے میں ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے جائیں گے پھر اگر ایک شخص اپنی برادری سے باہر شادی کرنا چاہیے تو اول تو راہ میں بے شمار روڑے اٹکائے جاتے ہیں اور اگر وہ کر گزرے تو پھر اس کو یا تو برادری سے خارج کر دیا جاتا ہے یا اس کا حقہ پانی بند کر دیا جاتا ہے وہ اپنے خاندان کے لوگوں سے ایک مدت تک نہیں مل سکتا بعد میں بھی دوسری برادری کی عورت سے پیدا ہونے والی اولاد کا طعنہ دیا جاتا ہے کہ ان کی ماں فلاں قوم سے تھی۔

بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اب برادری کو کونسا پوچھتا ہے سب لوگ اپنی مرضی سے پیشوں کا انتخاب کر رہے ہیں یہ تسلیم کرتے ہیں کہ شیخ برادری اصل میں کاروبار کے لیے مشہور ہے اور روپیسے کے بارے میں بڑی محتاط ہوتی ہے اور یہ لوگ اپنے ہی خاندان میں اپنی برادری میں شادیاں کرتے ہیں وہ اپنے خاندان کے کسی فرد کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ ۔ برادری سے باہر شادی کرے۔ ان کا مؤقف یہ ہے کہ برادری کے لوگ جانے بوجھے ہوتے ہیں، باہر کے لوگ نہ جانے کیسے ہوں۔ برادری اچھی چیز ہے برادری میں لوگ ایک دوسرے کا دکھ محسوس کرتے ہیں ان میں پیار و محبت ہوتا ہے۔

ایوب خاں کے دور میں جب سیاست سمٹ کر بلدیاتی حلقوں میں آئی برادریوں کا عمل دخل بڑھ گیا۔ صرف ۱۹۷۰ء کا انتخاب وہ واحد انتخاب تھا جس میں لوگوں نے ذات برادری کو نظر انداز کر کے سیاسی جماعتوں کو ووٹ دیے اور ان سیاسی جماعتوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امیدوار کامیاب ہوئے جن کے پاس نظریہ تھا۔ عوام کی خدمت کا پروگرام تھا۔ دراصل یہ کمزور لوگوں کی استحصالی طبقوں سے بغاوت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ چوہدری ہار گئے اور کمی محنت کش مزدور مسند اقتدار پر فائز ہو گئے۔

بلدیاتی نظام میں حلقے بہت مختصر ہوتے ہیں اور یہ الیکشن اس برادری کا فرد یعنی اس محنت کش طبقے کا فرد جیت جاتا ہے جس کی اس حلقے میں اکثریت ہو پھر یہی قیادت صوبائی اسمبلی میں ابھر کر سامنے آتی ہے۔

۱۹۸۵ء کے الیکشن میں برادریوں کا عمل دخل تو خیر ایک سمجھ میں آنے والی بات تھی کہ یہ الیکشن ہی غیر جماعتی تھا اور لوگوں نے برادری کی جماعت سے کامیابی حاصل کی تھی مگر ۱۹۸۸ء کے الیکشن میں بھی سیاسی جماعتیں مضبوط برادریوں اور ان کے نمائندوں کو نظر انداز نہ کر سکیں۔ الیکشن کی تکمیل کے بعد مختلف تجزیہ نگاروں نے جہاں الیکشن میں دوسرے عوامل کا ذکر کیا وہاں برادری بھی شامل تھی یہاں تک خبریں آئیں کہ اس الیکشن میں فلاں فلاں برادری کے اس قدر لوگ منتخب ہوئے ہیں۔

زبیر رانا اپنی کتاب "داستان ثقافت" میں لکھتے ہیں کہ یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ مشترکہ ملکیت کے نظام میں جو برادریاں، قبیلے اور ذاتیں ہمارے اتحاد، مساوات، معصومیت اور محبت کے گھروندے تھے وہی طبقاتی اونچ نیچ پیدا ہونے کے بعد ظالم طبقوں کے ہاتھوں استعمال ہونے لگے۔ برادریاں مفادات کے ہتھے چڑھ گئیں تو ظالم طبقوں نے انہیں نفرت و فساد کے بیج بونے کے لیے استعمال کیا۔ دیہاتی قبیلوں اور برادریوں کا نظام جو ماضی میں ہمارا زیور تھا آج ہمارے ہاتھ پاؤں کی زنجیر بن گیا ہے۔

شرکت مضاربت

سرمایہ دے کر دوسرے سے بیوپار کرانے اور خود ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کو اسلام گوارا نہیں کرتا۔ کیوں؟ شاید اس لیے کہ کاروبار ذریعہ پیداوار ہے اور ذریعہ پیداوار میں اجارہ داری اور معاوضے پر دولت کمانے کی گنجائش نہیں۔ کاسب کو شریک عمل تو گردانا جا سکتا ہے۔ اجیر یا سخری نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ سرمایہ اور محنت میں البتہ شرکت مضاربت کی گنجائش ہے اور اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی صورت فقہاءِ اسلام نے یہ بتائی ہے سرمایہ ایک شخص کا ہو اور محنت دوسرے کی اور کاروبار سے جو منفعت ہو اس میں سرمایہ دار اور محنتی دونوں شریک ہوں۔ محنت مستقل، آزاد، شریف ترین پیداواری وحدت ہے۔ اسے مزید پیداوار کی تحصیل اور تخلیق کے لیے شریکِ سرمایہ تو گردانا جاسکتا ہے اجرت دے کر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

زر کی طرح زمین بھی پیداواری وحدت ہی ہے۔ اس لیے اصولاً اس کی اجازت نہ ہونی چاہیے کہ اس میں حل چلانے اور بیج ڈلنے کے لیے کسی کی خدمت حاصل کی جائے اور جو کچھ پیدا ہو اس میں سے یا نقدی کی صورت میں اس خدمت کا اسے کچھ صلہ دے دیا جائے۔ سرمایہ کے حق میں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ سرمایہ دار یعنی صاحب المال کا اس پر قانونی حق ہے کہ یہ اس کے اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی ہے۔ لیکن زمین کی بابت جس کا مالک اصالۃً خدا ہے اور نیابۃً "اسلامی معاشرہ یا اس کی جائز منتخب نمائندہ حکومت ہے، کم سے کم وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ زمیندار اس کا مالک ہے اور قانوناً اس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ قابض کی حیثیت سے وہ اس سے استفادہ کرے۔ خود ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور دوسروں سے کام لے اور پیدا کرنے والے یا اگانے والے کے ہاتھ پر چند ٹکے رکھ کر تمام پیداوار خود ہتھیا لے۔ یہ بات ایک سیدھے سادے مسلمان کی سمجھ سے باہر ہے۔ مضاربت کی طرح یہاں بھی شرکت فی الزّراعت یعنی ہل بیل، بیج وغیرہ دے کر کاشت کرانے اور جو کچھ پیدا ہو اس میں سے مقررہ حصّے کے مطابق باہمی تقسیم یا بٹوارے کی اجازت ہونی چاہیے اور بس۔

مزارعت

محترم شوکت سبزواری اپنے مقالہ "محنت و سرمایہ" میں رقم طراز ہیں کہ سو جہاں تک میں سمجھتا ہوں اسلام نے مزارعت اور مساقات کی جیسا کہ خود ان لفظوں سے ظاہر ہے صرف اس صورت میں اجازت دی ہے جب

۱۔ مزارع اور مساقی (درختوں کو پانی دینے والا) زمیندار اور باغ لگانے والے کے شریکِ کار ہوں اجیر اور کرایہ دار نہ ہوں۔

۲۔ سامانِ کاشت و آلاتِ کشاورزی ہل، بیل، بیج، پانی، ڈول، ڈلیا وغیرہ کاشتکار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور کارکن کو مالک باغ و زمین کی طرف سے مہیا کئے جائیں۔ تفصیل کا موقع نہیں۔ میں اپنے اس خیال کی تائید میں صرف چند ضروری اور واضح شہادتیں ہی پیش کر سکتا ہوں۔

سب سے بڑی اور اہم شہادت تو خود حضور اکرم صلعم کے فرمان واجب الاذعان میں ہے جس کا ذکر امام مسلم نے ان الفاظ میں کیا ہے:

من کانت له ارض فلیزرعها فان عجز عنها فلیمنحها اخاه المسلم ولا یواجرها:

کسی کے قبضے میں زمین کا کوئی قطعہ ہو تو اسے اس میں کاشت کرنی چاہیے کسی وجہ سے کاشت نہ کر سکے تو اپنے مسلمان بھائی کو بطور عطیہ دے دے کرایہ پہ نہ اٹھائے۔

اس فرمان کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے جیسا کہ علامہ ابن حزم لکھا ہے کہ زمین خود کاشت کے لیے ہے، اس کا کرایہ پہ چڑھانا اور آمدنی بیٹھ کر کھانا جائز نہیں۔

نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن کراء الارض جملة

حضور رضؓ نے زمین کو مطلقاً کرایہ پر اٹھانے کی ممانعت فرمائی ہے۔

کرایہ پر اٹھانے کے معنی ہیں مزدوری دے کر کام لینا یا جیسا کہ میں نے عرض کیا "کاسب" کو اجیر قرار دینا۔ شریک بنا کر "کاسب"، سے کھیتی باڑی کرائی جا سکتی ہے اور نخل بندی یا آبیاری بھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

قالت الانصار اقسم بیننا وبین اخواننا النخیل قال لا۔ فقالوا فتکفونا المؤنة ونشرککم فی الثمرة قالوا سمعنا واطعنا۔ (بخاری شریف جلد ۱، صفحہ ۳۱۲)

انصار نے حضور سے کہا آپ ہمارے اور مہاجر بھائیوں کے درمیان کھجور کے درخت تقسیم فرما دیجئے۔ آپ نے انکار فرمایا تو انصار بولے تم ہمارا ہاتھ بٹاؤ تو ہم پھلوں میں تمہیں شریک بنالیں گے۔ مہاجرین نے جواب دیا بسر وچشم۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے مہلب کے حوالے سے لکھا ہے یہ مساقات (مل جل کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درختوں کی ٹہل) یعنی شرکت فی العمل ہے اور اس میں کوئی خامی خرابی نہیں۔

فسألوهم ان يساعدوهم في العمل ويشركوهم في الثمر - قال وهذه المساقاة - (جلد ۵ صفحہ ۷)

"انصار نے مہاجرین سے کہا تھا کہ کام میں انکا ہاتھ بٹائیں تو پھلوں میں انہیں شریک کر لیا جائے گا اور یہ مساقات ہے۔

جس طرح مل جل کر درختوں کی ٹہل کی جاسکتی ہے مل جل کر کھیتی بھی کی جاسکتی ہے یہ مزاعت یعنی شرکت فی الزراعت ہوگی۔ اس کے لئے جیسا کہ حسن بصری نے لکھا ہے اور امام زہری نے اس سے اتفاق کیا ہے، ضروری ہے کہ زمیندار اور مزارع دونوں مل کر خرچ کریں۔

وقال الحسن البصری لاباس ان تكون الارض لاحدهما فينفقان جميعا فماخرج فهو بينهما -

(بخاری شریف جلد اول صفحہ ۳۱۲)

حسن بصریؒ فرماتے ہیں اس میں کیا مضائقہ ہے کہ زمین ایک شخص کی ہو اور دونوں مل کر اس پر خرچ کریں اور جو پیدا ہو اسے آپس میں بانٹ لیں۔

امام زہری کی رائے بھی یہی ہے۔

یا جیسا کہ ابن سیرین فرماتے ہیں مزارع اور اس کے عیال و اطفال تو کام کریں اور مصارف تمام تر زمیندار کے ذمے ہوں:

كان لايرى باساً ان يدفع ارضه الى الاكار على ان يعمل فيها بنفسه و ولده واعوانه ولا ينفق شيئاً وتكون النفقة كلها على رب الارض -

"ابن سیرینؒ اس میں کوئی حرج نہیں بتاتے کہ زمین کاشتکار کو اس شرط پر دی جائے کہ وہ خود بھی کام کرے اور اس کی اولاد بھی اور مصارف زمیندار پر ہوں۔

بخاری شریف کی ایک روایت میں اس کی صراحت کی گئی ہے کہ جب حضرت طاؤسؓ کو زمین کرایہ پر اٹھانے سے روکا گیا تو آپ نے فرمایا میں زمین اجرت پر نہیں دیتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"انی اعطیھم واعینھم" میں کاشتکاروں کو زمین دیتا ہوں اور ان کی مدد بھی کرتا ہوں اور حضرت ابن عباس نے مجھے بتایا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں"!

ان روایات و شواہد سے ثابت ہوا کہ اصل پیداواری وحدت کسب ہے جب تک "کاسب" کو شریک نہ کریں تنہا سرمایہ کو ذریعہ پیداوار نہیں بنا سکتے یوں حضور پاک ﷺ نے محنت و مشقت اور مزدوری کی عظمت بڑھائی ہے اور اس کا مکمل صلہ دینے کے احکام بالوضاحت ارشاد فرمائے ہیں۔

معاشی و معاشرتی عدل

آزاد یا ملی جلی معیشت والے ملکوں میں کارخانہ دار اور مزدور کے درمیان کشمکش عموماً اجرت، اوقات کار، شرائط محنت کے تعین اور صنعتی پالیسی پر کنٹرول سے متعلق ہوتی ہے۔

جدید دور میں مزدوروں کو معاشرہ میں باوقار مقام دلانا اور ان کے معاشی مسائل کے حل کا سہرا کمیونزم کے خالق کارل مارکس کے سر باندھا جاتا ہے۔ حالانکہ شاہ ولی اللہؒ نے کارل مارکس کی پیدائش سے تقریباً ایک سو سال قبل اور انقلاب سے بھی پچاس سال پہلے اپنی مشہور تصنیف "حجۃ اللہ البالغۃ" میں نہ صرف انسان کے معاشی مسائل کی نشان دہی کی ہے، بلکہ راہ نما اصولِ اقتصادیات کا اسلام سے استخراج کیا۔ جو آج بھی مشعل راہ ہیں ان میں سے چیدہ چیدہ یہ ہیں۔

۱۔ دولت کی اصل بنیاد محنت ہے۔

۲۔ مزدور اور کاشت کار قوت کا سبب ہیں۔

۳۔ مزدور کاشت کار اور دماغی کام کرنے والے ہی دولت کے اصل مستحق ہیں۔ ان کی خوشحالی ملک کی خوشحالی ہے۔ جو نظام ان قوتوں کو دبائے اسے ختم کر دیا جائے۔

۴۔ ایسا معاشرہ ختم ہو جانا چاہیے جو محنت کی صحیح قیمت ادا نہ کرے۔

۵۔ ضرورت مند مزدوروں کی کم اجرت پر رضا مندی قابل قبول نہیں جب تک اس کی وہ قیمت ادا نہ کی جائے جو امداد باہمی کے اصول پر مبنی ہو۔

۶۔ اوقات کار محدود ہوں تاکہ مزدوروں کو اخلاقی اور روحانی اصلاح کے لیے وقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مل سکے ۔

اس طرح اسلام میں معاشی و معاشرتی عدل و احسان کی بنیاد پر ہی مزدور و آجر کے باہمی تعلقات اور ملک کی خوش حالی کی عمارت قائم کی جاتی ہے ۔

ان حقوق کو نافذ کرنے کے دو طریقے ہیں ۔ایک رضا کارانہ اور دوسرا جبری ۔

عدل و احسان : زندگی کے تمام شعبوں میں جہاں لین دین کا تعلق ہے عدل و انصاف پر زور دیا گیا ہے ۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ ۔

عدل کا مطلب ہے تمام معاملاتِ حیات میں انصاف کرنا ، لیکن احسان اس سے ایک درجہ اوپر ہے ۔ اگر دینا ہے تو فرض سے زیادہ دو ۔تاکہ شک نہ رہے ۔ تولتے وقت پلڑا جھکانا اسی کا مظہر ہے ۔ یہ اصول ایک دوسرے اصول پر مبنی ہے اور وہ ہے ۔اخوّت اسلامی کا اصول ۔ (اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ) بھائی کیساتھ زیادتی کرنا زیب نہیں دیتا ۔ دوسرے اصولِ اخوّت (لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ) کے مطابق آجر کو چاہیے کہ وہ اجرت وہی دے جو اگر وہ خود مزدور ہو تو ایسے ہی کام کے لیے لینا پسند کرے گا اور مزدور کو چاہیے کہ وہ ایسا ہی کام کرے جیسا کہ اگر وہ خود آجر ہو تو مزدور سے لینا پسند کرے گا ۔ اس اصول کی قوّت نافذہ خدا کا خوف اور قیامت کے دن حساب کا ڈر ہے اور یہ اصول اسی وقت خود بخود نافذ ہو گا جب اسلام کا پورا نظامِ اخلاق معاشرے میں جاری و ساری ہو گا ۔

مزدوروں محنت کشوں اور کارکنوں کے فرائض

مزدوروں ، محنت کشوں اور کارکنوں کے اگر کچھ حقوق ہیں تو ان پر کچھ فرائض بھی عائد ہوتے ہیں ۔ اہم ترین فرائض یہ ہیں ۔

۱ ۔ محنتی اور دیانت دار ہوں ۔

۲ ۔ پر امن صنعتی ارتقاء میں ممد و معاون ہوں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محنت و دیانت داری قرآن حکیم میں مزدور کی محنت اور اسکے ساتھ ساتھ اس کی جسمانی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے لیے حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی کے اس قول سے ظاہر ہے۔

اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ط (القصص: ۲۶)

"بے شک بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہو سکتا ہے جو مضبوط اور ایماندار ہو"

توانا جسم استعداد کار میں اضافہ کا سبب بنتا ہے اور دیانت داری ہی احساس فرض کو اجاگر کرتی ہے۔ لہذا ایک مزدور کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر دونوں صفات مجتمع کرے۔

دیانت داری کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ لین دین میں کمی بیشی نہ ہو۔ قرآن حکیم کی سورۃ تطفیف میں ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے "وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ" کے الفاظ میں شدید وعید آئی ہے۔ یعنی ان کے لیے تباہی ہے۔ حضرت امام مالکؒ کا قول ہے: کہ

لِکُلِّ شیءٍ وفاء وتطفیف۔ (مؤطا امام مالکؒ)

"پورا پورا حق دینا یا کم کرنا ہر چیز میں ہے"

حقوق العباد میں جو شخص مقررہ حق کی ادائیگی میں کمی کرتا ہے۔ وہ تطفیف کا مجرم ہے۔ اگر مزدور عمداً سستی سے کام کرتا ہے۔ وقت ٹالتا ہے یا وقت کا کچھ حصّہ نجی کاموں میں صرف کرتا ہے تو اس کا یہ عمل تطفیف کے حکم میں آتا ہے۔ ایسی روزی حرام ہوگی قرآنی اصول ہدایت یعنی تقویٰ کا تقاضا یہی ہے کہ جہاں اپنے اور غیر کے حق میں حدّ فاصل ہو وہاں احتیاطاً اس حد سے پیچھے رہا جائے۔ نقصان کا احتمال ہو تو اپنا ہو۔ تول کا معاملہ ہو، تولنے والا احتیاط کے طور پر پلڑا جھکا کر دے اور مزدور معیّنہ اور طے شدہ وقت میں جانفشانی سے کام کرے۔ مذکورہ حدیث "مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو" ابن ماجہ ص۱۷۰ میں آجر و مزدور دونوں کے لیے ہدایت ہے کہ آجر تو مزدوری جلدی ادا کرے اور مزدور انتہائی محنت و جانفشانی سے کام کرے کہ پسینہ تک بہا دے۔

حضرت ابراہیم ادہمؒ کا ذریعۂ معاش محنت مزدوری تھا۔ لبا اوقات وہ اس بنا پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مزدوری لینے سے انکار کر دیتے تھے کہ کہیں ان سے کام میں تطفیف یا تساہل نہ ہو گیا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور خلافتِ راشدہ کے زمانۂ مبارک میں کام کے اختتام پہ بسا اوقات آجر اور مزدور میں اسی بات پر بحث چھڑ جاتی تھی کہ مزدور اس خیال سے مزدوری کم لینے کا مطالبہ کرتا تھا کہ مبادا کام میں کمی رہ گئی ہو اور آجر اسے مقررہ مزدوری سے ذرا زیادہ اس لیے دینا چاہتا تھا کہ کہیں مزدور نے کام زیادہ نہ کر دیا ہو۔ اس طرح معاملات میں تقویٰ کے اعلیٰ ترین معیار کا مظاہرہ ہوتا تھا۔

اگر مندرجہ بالا اصولوں کو مدّنظر رکھا جائے تو مزدور کو ہڑتال اور آجر کو تالہ بندی کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور پرامن صنعتی ارتقا ہو گا آج ہمارا معاشرہ جس اخلاقی انحطاط کا شکار ہے اس کا اگر فوری سدباب نہ کیا گیا تو ایک دن ہمیں ناقابل حل مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس وقت اصلاح احوال کے لیے بہت بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ایک لمحہ ضائع کیے بغیر نہایت سنجیدگی سے معاشرتی خرابیوں کا جائزہ لیں اور ان کو دور کرنے کی دیانت دارانہ کوشش کریں۔ ان معاشرتی اور سماجی برائیوں میں ایک راتوں رات دولت مند بن جانے کی ہوس ہے اور وہ بھی بغیر کسی محنت اور مشقت کے۔ معیارِ زندگی کو بلند کرنے کی دھن ہر شخص کے ذہن پر اس طرح سوار ہے کہ وہ بلا امتیاز حلال وحرام ہر جائز و ناجائز ذریعے سے حصول مال و زر میں مگن ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے قومی و ملی مفادات تک کو قربان کر دیا جاتا ہے۔ آج کا انسان جس فضا میں سانس لے رہا ہے وہ خود غرضی، حرص وہوس اور زر پرستی جیسی، برائیوں سے آلودہ ہے جو اس کے کردار کو بگاڑنے کے ساتھ قوم کو مجموعی طور پر بھی ناکارہ بنا رہا ہے۔

یہ درست ہے کہ اسلام نے حصول رزق اور مال و دولت جمع کر کے معیارِ زندگی کو بلند کرنے کی کوئی ممانعت نہیں کی اور نہ ہی اس سلسلے میں کوئی ناروا پابندی لگائی ہے بلکہ اس کے برعکس ہر شخص کو اس کرۂ ارض پر وسائل رزق سے پورا پورا استفادہ کرنے کا حق دیا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ

وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم بنا دیا پس تم اس کے اطراف میں چلو پھرو اور خدا کی دی ہوئی رزق سے کھاؤ۔ (الملک : ۱۵)

اگر غور کیا جائے تو اسلام نے جہاں ایک طرف ہر فرد کو بنیادی ضروریات زندگی حاصل کرنے کا نہ صرف حق دیا ہے بلکہ اس کی ترغیب بھی دی ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کی بجائے محنت وجد وجہد سے رزق حاصل کر کے خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ اسلام نے انسانوں کے لیے ایک ایسا معاشی نظام بھی پیش کیا ہے جس میں ہر فرد کے لیے معاشی تحفظات کے قواعد وضوابط واضح طور پر موجود ہیں۔

اس معاشی نظام کو صحیح طور پر اپنایا جائے تو معاشرہ کا کوئی فرد فقر و فاقہ میں مبتلا نہیں رہ سکتا۔ اس نظام میں اصحاب ثروت سے زکوٰۃ اور صدقہ وخیرات کے ذریعے مال لے کر فقراء ومساکین پر خرچ کیا جاتا ہے جس سے معاشرہ میں دولت پرستی کی لعنت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ زر پرستی اور ہوس مال و دولت تب پیدا ہوتی ہے جب کچھ لوگ دولت کو گردش سے روک کر دوسروں کو اس سے محروم کر دیں۔ یہ احساس محرومی ضرورت مند کو پھر ناجائز ذرائع اپنانے پر اکساتی ہے۔ جس سے خود بخود معاشرہ میں خرابیاں جنم لینے لگتی ہیں۔

ہمارے معاشرے میں جو خرابیاں ہیں ان کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اسلامی نظریہ حیات کو کہ اسلامی معاشی نظام جس کا ایک جزو ہے اختیار کرنے میں بہت سے قیمتی سال ضائع کر دیے ہیں اور اب جبکہ کچھ پیش رفت ہوئی ہے کچھ لوگ ابھی تک ہچکچا رہے ہیں۔ حالانکہ اب مزید انتظار اور پس وپیش کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اسلامی تعلیمات کا ایک اہم جزو ہے کسب حلال اور اکل حلال یعنی حلال کمائی اور حلال کھانا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا۔ (البقرہ: ۱۶۸)

"اے لوگو زمین میں سے حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔"

اسلام اپنے پیروکاروں کو حلال اور پاکیزہ چیزیں کھانے کا حکم دیتا ہے اور حرام خوری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے منع کرتا ہے۔ حلال چیزوں سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ جو چیزیں حلال قرار دی گئی ہیں وہ اب ہمارے لیے ہر لحاظ سے حلال ہیں۔ چاہے ہم انہیں جس طرح بھی حاصل کریں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حلال اور پاکیزہ چیزیں بھی ہمارے لیے تب ہی حلال ہوں گی جب ہم جائز طریقے سے انہیں حاصل کریں۔ ناجائز ذرائع سے حاصل کردہ چیز بھی حرام ہو جاتی ہے۔ اسلام ہمیں کسب حلال اور اکل حلال کا حکم دیتا ہے اور حرام کمائی سے سختی سے منع کرتا ہے۔ ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ مال و دولت اسی طرح حرام ہے جس طرح شراب، لحم خنزیر اور دوسری ناپاک چیزیں حرام اور ممنوع ہیں۔

حصول رزق کے چند ایک ناجائز ذرائع ایسے ہیں جن سے حلال اور پاکیزہ چیزیں بھی حرام ہو جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمارا معاشرہ جن برائیوں میں مبتلا ہے ان میں ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، کم تولنا۔ رشوت، کام چوری اور اپنے اختیارات کا بے محل استعمال چند ایک ہیں۔ اسلام ان ذرائع سے حاصل شدہ رزق کو نہ صرف ناجائز قرار دیتا ہے بلکہ ان برائیوں کے مرتکب افراد کے لیے سخت وعیدیں اور سزائیں بھی بیان کرتا ہے۔

کام چوری

محنت و مشقت سے جو قومیں جی چراتی اور سہل پسند بن جاتی ہیں وقت کی تلوار انہیں نیست و نابود کر دیتی ہے۔ یہی قانون فطرت ہے اور تاریخ سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے۔ لگن اور محنت سے کام نہ کر کے وقت ضائع کرنا نہ صرف فرد کے لیے نقصان دہ بلکہ اس سے قوم و وطن کو بھی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ دفتروں میں عموماً یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ اہل کار بیٹھے گپیں ہانک رہے ہیں، چائے نوشی کی جا رہی ہے۔ یا کسی اور طرح وقت برباد کیا جا رہا ہے جبکہ اصل کام جو کرنے کا ہے یونہی پڑا ہوا ہے۔ اس سے جہاں خود ایسے افراد کی صلاحیتوں کو زنگ لگ جاتا ہے وہیں ملکی و ملی مفادات سستی کی نذر ہو جاتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ میں اس کی قطعاً اجازت نہیں دی جا سکتی۔ جب ایک شخص اپنے وقت کا جو چھ سات گھنٹے ہیں پورا معاوضہ لیتا ہے اور کام صرف دو ایک گھنٹے کا کرتا ہے اور بعض اوقات کچھ بھی نہیں کرتا تو ایسے شخص کی کمائی کو کیونکر جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ معاشرے کی صلاح تب ممکن ہو سکتی ہے جب ہر آدمی چاہے وہ مزدور ہو یا کارخانہ دار، افسر ہو یا ماتحت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملازم، اپنے فرائض دیانت داری سے انجام دیں اور اس میں کسی قسم کی سستی اور تساہل کا مظاہرہ نہ کریں۔

ہم اپنے اپنے حقوق کے لیے تو ہر وقت چلاتے رہتے ہیں اور ہماری زبان پر ہر وقت یہ شکوہ رہتا ہے کہ ہمارے حقوق غصب کئے جا رہے ہیں۔ ہمارے حقوق پر ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے جبکہ اپنے فرائض سے ہر شخص لاپرواہی اور کوتاہی کرتا نظر آتا ہے۔ حالانکہ حقوق و فرائض کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ فرائض ادا کئے بغیر حقوق نہیں مل سکتے اور حقوق دیے بغیر فرائض کی صحیح انجام دہی ناممکن ہوتی ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم ہر وقت اس کلیہ کو مدنظر رکھیں اور فرائض باحسن طریقے سے انجام دیں تاکہ حقوق کا حصول آسان بن جائے۔

اسلام ہمیں محنت اور اپنے ہاتھ سے کمانے کی تلقین کرتا ہے۔ اسلام نے کام کی عظمت کا درجہ بہت بلند رکھا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محنت کی کمائی کو سب سے افضل قرار دیا ہے۔

عن ابی هریرةؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خیر الکسب العامل اذا نصح (مسند احمد بن حنبل ج ۲ : ۳۳۴)

"حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا بہترین کمائی کمانے والے ہاتھ کی ہے جبکہ کام خلوص سے کیا جائے۔"

اس حدیث میں کام کی اور محنت کی عظمت کے ساتھ ساتھ خلوص سے کام کرنے کی تلقین ہے یعنی کام کرنے والا اپنا کام انتہائی دیانتداری سے انجام دے اور سستی سے کام کر کے کام چوری کا مظاہرہ نہ کرے۔

عن رافع بن خدیج قال قیل یا رسول اللہ ای الکسب اطیب قال عمل الرجل بیده وکل بیع مبرور۔

مسند احمد بن حنبل ج ۴ : ۱۴۰)

"رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا یا رسول اللہ کونسی کمائی سب سے پاکیزہ ہے تو آپ نے فرمایا آدمی کا اپنے ہاتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے کمانا اور ہر جائز تجارت ۔

عن عائشۃؓ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اطیب ما اکل الرجل من کسبہ ۔ (سنن ابن ماجہ کتاب التجارات باب اوّل)

"حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پاکیزہ کھانا جو آدمی کھاتا ہے وہ اس کی اپنی کمائی ہے ۔

عن المقدام بن معدیکرب الزبیدی عن رسول اللہ صلی علیہ وسلم قال ما کسب الرجل کسبًا اطیب من عمل یدہ ۔

(سنن ابن ماجہ کتاب التجارات باب اول)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت مقدام بن معدیکرب روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا سب سے پاکیزہ کمائی جو ایک شخص کماتا ہے وہ اس کے ہاتھ کی کمائی ہے ۔

ان احادیث سے کام کی عظمت اور محنت کا درجہ واضح ہو جاتا ہے ۔ در اصل اسلام نہیں چاہتا کہ کوئی شخص بغیر کسی مجبوری کے کام نہ کر کے معاشرہ پر بوجھ بن جائے ۔ ایک خوشحال اور فلاحی معاشرہ تب ہی تشکیل پا سکتا ہے جب ہر فرد محنت کرے اور مفت خوری و کام چوری سے دور رہے ۔

اختیارات کا غلط استعمال

ملازم پیشہ طبقہ میں جو لوگ کچھ نہ کچھ اختیار رکھتے ہیں وہ عموماً اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے قوم و ملک کے قیمتی سرمائے کو گھن کی طرح چاٹ جاتے ہیں ۔ بڑے بڑے منصوبے اکثر اوقات اسی وجہ سے ناکام ہو جاتے ہیں ۔ کیونکہ ان کے لیے فراہم کردہ سرمایہ افسران کی آرام و آسائش پر خرچ ہو جاتا ہے ۔ اگر کسی افسر کو یہ سہولت ملی ہوئی ہے کہ وہ سرکاری یا دفتری امور کی انجام وہی کے لیے حکومت کی طرف سے فراہم کردہ گاڑی استعمال کر سکتا ہے تو دیکھا یہ گیا ہے کہ اسے وہ صاحب اپنی نجی ضرورتوں کے لیے بھی استعمال کرتا ہے ۔ بیگم کو شاپنگ کرانی ہو یا دوستوں کے ساتھ سیر و تفریح یا اور کوئی فالتو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذاتی نوعیت کا کام ہو سرکاری گاڑی استعمال کی جاتی ہے ۔

اسی طرح اگر کسی کو کوئی اور سہولت حاصل ہے تو وہ ہر طرح سے کوشش کرتا ہے کہ اس سے جائز و ناجائز مفاد حاصل کرے ۔ یہ قطعاً ناجائز اور حرام ہے ۔ ملک و قوم کے سرمائے کو اس طرح ضائع کرنے کی کسی کو اجازت نہیں ہونی چاہیے ۔ اس سے دوسروں میں بھی مفاد پرستانہ خیالات جنم لیتے ہیں اور دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی اسی راہ پر چل نکلتے ہیں ۔

کارکردگی اجیر و مزدور

اگر مستاجر یہ محسوس کرتا ہے کہ ایک مزدور نے کام بگاڑ دیا ہے ، یا دل لگا کر کام نہیں کرتا ہے ، تو اس کو یہ حق ہوگا کہ وہ اس کو علیحدہ کر دے ، مگر علیحدہ کرنے سے پہلے دو باتیں دیکھنی ہوں گی ، ایک یہ کہ یہ بات کسی جسمانی عذر کی وجہ سے تو نہیں ہے ، اس صورت میں اس پر کوئی دار و گیر نہیں کی جا سکتی ، دوسرے اس کی عدم دلچسپی کا سبب اجرت کی کمی تو نہیں ہے ، تو یہ کمی اگر اجر مثل سے کم ہے تو پھر اس کو اجر مثل کے مطابق اجرت کر دینی ہوگی ، اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہ ہو تو پھر مستاجر قانوناً اس کو زیادہ کام کرنے پر مجبور کر سکتا ہے اور قصداً کام بگاڑنے کی صورت میں اس سے تاوان لے سکتا ہے ۔

مستاجر کی طرح اجیر کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس نے مستاجر سے کام کرنے کا جو معاہدہ کیا ہے اس کی پابندی صرف اس پر قانونی حیثیت ہی سے ضروری نہیں ، اگر وہ اس میں کوتاہی کر کے یا کوئی کام بگاڑ کر قانونی چارہ جوئی سے بچ بھی جائے تو قیامت کے مواخذہ سے نہ بچے گا ۔ جس طرح خدا مستاجر کے کھلے چھپے ہر طرح کے ظلم کو دیکھتا ہے ، اسی طرح اس کی کھلی اور چھپی کوتاہیوں اور غفلتوں پر بھی نگاہ رکھتا ہے ، ذَالِكَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ کے ساتھ وَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْل" پر بھی نظر رکھنی چاہیے ۔

معاہدہ کی رو سے اجرت کا جو وقت مقرر ہے اس سے پہلے اجرت مانگنے کا حق اجیر کو نہیں ہے ۔ اگر آجر خود دے دے تو اس کو اس کا حق ہے ، لیکن اس صورت میں اجیر پر یہ ذمہ داری ہو گی کہ جتنی مدت کی وہ اُجرت لے چکا ہے اتنی مدت تک وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کام کرے، البتہ اگر اجرت اجرِ مثل سے کم ہو تو پھر وہ اتنی مدت کا پابند ہے جتنے دن کی اجرت اجرِ مثل کے اعتبار سے اس کے ذمہ باقی ہے۔

نیز یہ کہ جتنے دن کے لیے یا جتنے کام کے لیے اجرت کا معاہدہ کیا گیا ہے اس کے اختتام سے پہلے اجیر کو یہ حق نہیں ہے کہ بغیر کسی عذر کے کام چھوڑ دے ہاں اگر ایسا عذر مزدور کو پیش آجائے جس میں مزدور کام کرنے سے معذور ہو جائے تو یہ الگ بات ہے، اسی طرح اس کو مظاہرہ کرنے۔ ہڑتال کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ البتہ اگر مستاجر کوئی ظلم کر رہا ہے تو وہ عدالت کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

پرامن صنعتی ماحول کا برقرار رکھنا

مزدور پر یہ بھی فرض ہے کہ وہ پرامن صنعتی ماحول برقرار رکھے۔ صنعتی ترقی کے لیے یہ اشد ضروری ہے کہ کارخانوں میں حالات پُرامن ہوں۔ مزدوروں اور صنعت کاروں کے تنازعات ہڑتالوں اور تالا بندیوں پر منتج ہوں گے تو قومی سرمایہ اور محنت کا قیمتی اثاثہ ضائع ہو جائے گا اور ملک میں بدحالی کی فضا قائم ہو جائے گی۔ معاشیات اسلام میں ہڑتال و تالا بندی وغیرہ کا کوئی تصوّر نہیں ملتا۔ اسلامی معیشت کی بنیادوں میں شکر۔ اللہ کی نعمتوں کا جو انسان کو میسّر ہیں، فلاح دین و دنیوی اور عدل کو کلیدی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے اور مزدوروں اور آجروں کے درمیان حقوق اور فرائض کی انجام دہی قرآن و حدیث کے ان راہنما اصولوں کے تحت ہونی چاہیے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ ط (النحل: ۹۰)

"اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے"۔

اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ فَاحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ

(مشکوٰۃ باب الشفقۃ والرحمۃ)

"مخلوق اللہ کا کنبہ ہے... مخلوق میں سے خدا کا زیادہ پیارا وہ ہے جو اس کے کنبہ سے اچھا سلوک کرے"۔

رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۔ (الفتح: ۲۹) وہ آپس میں رحمت اور شفقت رکھتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ

(بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی)

"تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَیَدِهٖ۔

(بخاری جلد اول صفحہ ۶۔ کتاب الایمان)

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

ان تمام امور پر طاقت سے عمل درآمد کرانا اسلامی حکومت کا فرض ہے۔

آئندہ صفحات میں صنعتی کارکردگی کے بڑھانے والے عوامل، محرکات اور اسباب کا ذکر ہے در اصل یہ آجر، کارخانہ دار اور دستاجر کی ذمہ داری اور فرائض میں شامل ہے کہ وہ مزدوروں کے لیے اچھا ماحول، مناسب فضا اور ضروری سامان اور اسباب فراہم کرے۔

صنعتی کارکردگی بڑھانے والے عوامل و محرکات

صنعتی کارکردگی (The Industrial efficiency) کا تعلق صنعت کے انسانی پہلو سے ہے اور صنعت میں تمام پیشوں کا شمار ہوتا ہے خواہ ان پیشوں کا تعلق فیکٹریوں سے ہو یا دفتروں سے دکانوں سے ہو یا درسگاہوں سے، مزدوروں سے ہو یا آجروں سے غرضیکہ ہر قسم کے محنت کش لوگ صنعتی کارگردگی کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔

انسانی انجینیری (Human Engineering)

اس کا مطلب ہے سامان اور کام کے ماحول کو ایسی شکل دینا کہ وہ انسانی قابلیتوں اور کوتاہیوں سے ہم آہنگی اختیار کرے مشین پر کام کرتے ہوئے انسان اطلاعات وصول کرتا ہے، فیصلے کرتا ہے اور مناسب کارکردگی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ مثلاً بجلی سٹیشن کا آپریٹر اپنے کنٹرول سٹیشن سے اطلاعات وصول کرتا ہے۔ ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اطلاعات کی بنا پر وہ فیصلہ کرتا ہے کہ کیا کرنا چاہیے یعنی کس بٹن کو بند کرنا ہے اور کس کو کھولنا ہے اور اس فیصلے کے مطابق کام کرتا ہے۔ انسانی انجینیئری کا مقصد سامان، کام کی جگہ اور ماحول کو یوں ترتیب دینا ہے کہ وہ انسانوں کے اطلاعات وصول کرنے، فیصلہ کرنے اور مناسب ردعمل ظاہر کرنے کے تفاعل کو آسان اور کامیاب بنائے تاکہ زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل ہو سکے۔ اس سلسلے میں اہم موضوعات تھکاوٹ اور بوریت ہیں۔ روشنی کی مقدار۔ خوش گوار آواز، کارکردگی۔ آب و ہوا۔ لٹریچر۔ آرام کے وقفے وغیرہ لازمی عناصر ہیں

افزائش پیداوار

ہر کارخانے کا منشا اپنی پیداوار زیادہ سے زیادہ بڑھانا ہے اسی لیے بعض لوگ پیداوار کو ہی صنعت و حرفت کا مقصد عظمیٰ قرار دیتے ہیں۔ اس مقصد کو سامنے رکھ ایک فرم نے مزدوروں کی تعداد آدھی کر دی اور باقی نصف کو بونس کا لالچ دے کر پیداوار کی مقدار کم نہ ہونے دی۔ فرم کے مالک نے اس طریق کار پر فخر کیا اور کہا کہ بچت بھی ہو گئی اور پیداوار کی مقدار بھی کم نہ ہوئی۔ لیکن اسے یہ یاد نہ رہا کہ شاید جن مزدوروں کی چھانٹی کی گئی وہ نکمے اور نااہل ہوں اور ان کے چلے جانے کے بعد فرم کی فضا بہتر ہو گئی ہے کہ جو نصف کارگزار چھانٹی سے بچ گئے ہوں انھوں نے موقوفی کے ڈر سے کام زیادہ کیا ہو۔ لالچ اور ڈر سے خواہ انسان کسی جگہ ہو زیادہ کام پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ لالچ اور ڈر کے اثرات دیرپا نہیں ہوتے۔ کم پیداواری کا علاج مزدوروں کی تعداد کم کرنے یا ان کی تنخواہیں بڑھانے سے نہیں ہوتا۔ اس کے کئی اسباب ہوتے ہیں اور اس کا تجزیہ ماہر نفسیات ہی کر سکتا ہے۔ اکثر اوقات کم پیداواری کا سبب انتظامیہ کی نااہلی ہوتی ہے۔ نااہل اور بد اخلاق منتظمین کو موقوف کر دینا چاہیے، سامان پہنچنے میں دیر نہیں لگنی چاہیے اور وقت فضول نہیں ضائع ہونا چاہیے۔ مزدوروں کو ڈرانا اور دھمکانا یا انھیں لالچ دینا تو ایسے ہے جیسے جانور کو چھانٹا مارنا یا اس کے سامنے ہری ہری گھاس رکھنا (ملاحظہ ہو صنعتی نفسیات مصنفہ سی۔ ایس۔ مائر صفحہ ۱۰

بعض کمپنیوں میں پیداوار کی پیمائش کوئی مشکل کام نہیں۔ مثلاً تیل یا کوئلہ کا کارخانہ بڑی آسانی سے معلوم کر سکتا ہے کہ کتنے سرمایہ اور محنت سے کس قدر تیل یا کوئلہ پیدا ہوا۔ لیکن بعض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسے ادارے ہیں مثلاً بنک، دفاتر، یونیورسٹیاں۔ جہاں پیداوار کا اندازہ لگانا بڑا مشکل کام ہے اور اگر بالفرض کوئی ایسے پیمانے مل بھی جائیں جو اس امر کا اندازہ لگا سکیں تو وہ زیادہ کام نہیں دیتے۔ کیونکہ کارخانے کا منیجر اس طریق کار میں دلچسپی نہیں رکھتا۔ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ وہ کیسے مزدوروں کی بھرتی کرے۔ انہیں کون سی تربیت درکار ہے۔ ان کی اجرت کس حساب سے مقرر ہونی چاہیے۔ ان کے کام کا اندازہ کیسے ہو وغیرہ وغیرہ۔ یاد رہے کہ اس سلسلہ میں گذشتہ تجربہ زیادہ مفید نہیں بیٹھتا۔ مثلاً ایک کمپنی کے سامنے مسئلہ یہ تھا کہ آیا اوقات کار میں موسیقی ہونی چاہیے یا نہیں۔ کچھ ملازم تو ریڈیو لانے پر مصر تھے اور کچھ مخالف۔ انتظامیہ کو خرچ کی بھی فکر تھی اور پیداوار کی بھی۔ آخر ایک ماہر نفسیات کی خدمات حاصل کی گئیں اور اسے کہا گیا کہ وہ پیداوار پر موسیقی کا اثر دیکھے اور یہ بھی بتلائے کہ خرچ کتنا آئے گا۔ اس کی تحقیق نے ثابت کیا کہ موسیقی سے پیداوار بڑھ جاتی ہے، اس سے تھکان اور بوریت کم ہو جاتی ہے۔ کارگزار اور دیگر ملازمین زیادہ باتیں نہیں کرتے اور فکروں میں ڈوبے نہیں رہتے۔ اس تحقیق کے بعد اس فیکٹری میں ہر جگہ موسیقی کا بندوبست کیا گیا اور اس کی دیکھا دیکھی دیگر فیکٹریوں نے ایسا ہی انتظام کیا۔ (ملاحظہ ہو صنعتی کردار کی نفسیات مصنفہ سمتھ۔ نیویارک صفحہ ۵

اسی قسم کا ایک اور تجربہ پیداوار اور آرام کے وقفوں کے متعلق ہے۔ تجربہ کرنے والے میلگی اور اُدون ہیں۔ یہ تجربہ عورتوں پر ہوا جو بحیثیت اوپریٹر ایک فیکٹری میں کام کر رہی تھیں۔ پہلے صرف انہیں دوپہر کے کھانے کی چھٹی ملتی تھی۔ پھر صبح اور بعد دوپہر بھی آٹھ آٹھ منٹ کی چھٹی مل گئی۔ ماہر نفسیات نے دریافت کرنا تھا کہ آیا مزید آرام کے وقفوں سے پیداوار کی شرح پر مضر اثر تو نہیں پڑا۔ اس نے دیکھا کہ جب ملازمین کو باقاعدہ طور پر آرام کے وقفے نہیں دیئے جاتے تو وہ خود بخود آرام کے وقفے نکال لیتے ہیں اور ان دو قسم کے وقفوں کی مدت میں زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ اس لیے کیوں نہ یہی وقفے جو بہر حال ملازمین لیں گے قاعدے کے مطابق کر دیئے جائیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تکامل (INTEGRATION) کمپنی کا کام محض اپنی پیداوار بڑھانا نہیں ہوتا بلکہ اپنے آپ کو قائم رکھنا اور چلانا بھی ہے ۔ تکامل سے مراد یہ ہے کہ کمپنی اپنا فریضہ ادا کرنے میں کامیاب ہے اور اپنے آپ کو پرامن طریقے سے برقرار رکھ رہی ہے ۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض لوگ پیداوار کو تکامل پر ترجیح دیتے ہیں اور نقصان اٹھاتے ہیں ۔ اگر کسی ملازم کی ترقی کا دارومدار اس پیداوار کی مقدار پر ہو تو وہ ہر جائز اور ناجائز طریقے سے پیداوار بڑھا دے گا لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ زیادہ دباؤ کی وجہ سے مزدوروں میں بے اطمینانی پھیلے گی ۔ کمپنی سے ان کا لگاؤ اور وفاداری کم ہو جائے گی ۔ کچھ مزدور بھاگ جائیں گے یا دوسروں کو ہڑتال پر اکسائیں گے ۔ جب شکایات اور تقاضوں کا سلسلہ لمبا ہو جائے اور کمپنی کی بقا خطرے میں پڑ جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تکامل قائم نہیں رہا ۔

یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ آیا تکامل کی پیمائش ہو سکتی ہے یا نہیں ۔ اس سلسلے میں کئی تجربے ہوئے ہیں ، ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ جس ملازم کو اپنے کام سے واقفیت ہو یا جس ملازم نے اپنے کام کی تربیت حاصل کی ہو وہ کمپنی کے تکامل میں ممد و معاون ثابت ہوگا ۔ بھرتی ، سفارش سے نہیں ہونی چاہیے ۔ اس سے پیداوار کم ہوتی ہے اور تکامل کو نقصان پہنچتا ہے ۔ کمپنی کے لیے پیداوار بھی ضروری ہے اور اپنی بقا بھی ۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ پیداوار بڑھ جائے اور تکامل کو ضرر پہنچ جائے یا تکامل تو بڑھ جائے لیکن پیداوار کم ہو جائے ۔

حوصلہ (MORALE) ملازموں کے حوصلے ۔ شوق اور لگاؤ بلند رہنے چاہیں ۔ حوصلہ سے مراد کام میں دلچسپی ۔ ذاتی لگاؤ ۔ کشمکش کا فقدان ۔ خوشی کا احساس اور اپنے گروہ سے گہرا رابطہ ہے ۔ حوصلہ ناپتے وقت ہمیں ملازم کی سرگرمی ۔ اس کی دلچسپی اور اطمینان کو دیکھنا ہوگا ۔ حوصلے کی اکثر صفات تکامل میں آجاتی ہیں لیکن ماہرین کا کہنا ہے حوصلہ اور تکامل کو جدا جدا رکھنے میں تحقیق سے آسانی پیدا ہو جاتی ہے ۔

حوصلہ سے کارگزار کی ذاتی دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے ۔ اسے ناپنے کے لیے سرطانگ کا پیشہ ورانہ دلچسپی کا خاکہ مفید ہے ، کام میں جتنی دلچسپی کوئی ملازم زیادہ لے گا ۔ اتنی ہی اس کی پیداوار زیادہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو گی ۔ مزید برآں دلچسپی سے اہلیت میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور کارکردگی پر بھی اثر پڑتا ہے ۔
تجربوں سے ثابت ہوا ہے کہ حوصلے کے لیے آزادی درکار ہے ۔ کیونکہ حوصلے سے صرف یہ مراد نہیں کہ ملازم سے کیا توقعات ہیں بلکہ یہ بھی کہ وہ کام کیسے کرتا ہے ۔ جب ملازمین کو آزادی دی جاتی ہے تو ان کا حوصلہ اور پیداوار بڑھ جاتی ہے ۔ بعض مشینوں پر تو کام بندھا ہوا ہوتا ہے لیکن بعض مشینوں پر آزادی ممکن ہے مشینوں کے علاوہ بھی مزدوروں کو آزادی کے مواقع فراہم کئے جا سکتے ہیں ۔
کارگزاروں اور دیگر ملازمین کو جتنی آزادی ممکن ہو دینی چاہیے ۔ واکر اور گیسٹ کا کہنا ہے کہ جس ملازم کو بار بار ایک ہی عمل ادا کرنا ہوتا ہے اسے کام دو بھر نظر آتا ہے اور جس ملازم کو مختلف قسم کے چار یا پانچ کام کرنے ہوتے ہیں اس کا کام دلچسپ ہوتا ہے ۔

یہ تو بیان ہو چکا ہے مورال اور تکاہل کا گہرا تعلق ہے ۔ اس تعلق کو بھی واکر اور گیسٹ نے ایک آزمائش سے معلوم کیا ہے ۔ اس آزمائش میں چھ شقیں تھیں ۔ (۱) تکرار کی مقدار ۔ (۲) میکانکی رفتار کی مقدار ۔ (۳) مہارت حاصل کرنے کی مدت ۔ (۴) معمول میں وقفوں کی مقدار ۔ (۵) معاشرتی میل جول کے مواقع ۔ (۶) گروہ کی تعداد

اگر کوئی ملازم ایک ہی عمل سرانجام دیتا ہو یا اس کی تربیت کی مدت ایک ہفتہ سے کم ہو یا اسے آرام کا وقفہ نہ ملتا ہو یا اس کا معاشرتی میل جول نہ ہو تو اس کا شمار صفر ہوگا لیکن اگر اسے کئی عمل سرانجام دینے ہوں ۔ تربیت بھی اس نے پائی ہو ۔ معمول میں وقفے بھی آتے ہوں اور اس کا معاشرتی میل جول بھی کافی ہو تو اس کا شمار زیادہ سے زیادہ یعنی بارہ ہوگا ۔ یہ بھی یاد رہے کہ غیر حاضری اور حوصلہ کا بھی آپس میں تعلق ہے ۔ جتنا حوصلہ کسی شخص کا بلند ہوگا اتنا ہی وہ کم غیر حاضر ہوگا ۔

جتنا مورال اونچا ہوگا اتنا ہی تکاہل زیادہ ہوگا لیکن اس کے برعکس صحیح نہیں تکاہل بڑھنے سے مورال نہیں بڑھتا ۔ شروع میں تو بڑھ جاتا ہے لیکن بعد میں گر جاتا ہے ۔ جس کمپنی میں افراتفری ہو وہاں ملازمین کے حوصلے پست ہوں گے اور ان کی کارکردگی نچلی سطح پر ہو گی جب اس کمپنی میں نظم و نسق آ جاتا ہے تو پہلے پیداوار بڑھ جاتی ہے اور مورال بلند ہو جاتا ہے ۔ لیکن بعد میں اسی نظم و نسق سے مورال گر جاتا ہے اور پیداوار کم ہو جاتی ہے ۔

© rasailojaraid.com